جلد 14 شمارہ 1 دسمبر 2011ء مُحرّمؑ 1433ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللّٰہ

محبّت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

# فلاحِ آدمیّت

# منشور دعوت

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰہِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِی كِتَابٍ مُّبِينٍ

(ھود۔6)

## ترجمہ

زمین پر کوئی چلنے والا جاندار نہیں مگر اسکا رزق اللہ کے ذمے ہے۔
وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے۔
سب کچھ کتاب روشن میں ہے۔

ماہنامہ گوجرانوالہ

# آسہ فلاح آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا خان

نائب مدیر : سید رحمت اللہ توحیدی

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— -/30 روپے

سالانہ فنڈ ———— -/300 روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

# اس شمارے میں

# خواجہ کے خطوط

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

(بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطوط میں سے حکمت کے موتیوں کا انتخاب کر کے تقریباً چھ برس تک ''فلاحِ آدمیت'' کے قارئین کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ وہ سارے خطوط تو اب ''فرموداتِ فقیر'' کی زینت بن چکے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ایک بھائی عزیز عارف صاحب نے کسی محفوظ گوشے سے کچھ خطوط نکال کر نذرِ قارئین کئے ہیں۔ انہیں مناسب عنوانات کے ساتھ اب مجلّہ میں پیش کیا جا رہا ہے جو بعد میں ''فرموداتِ فقیر'' کے اگلے ایڈیشن میں شامل کر لئے جائیں گے)۔ (ادارہ)

## بہت بڑی دولت

(بنام عزیز عارف 25-12-72)

''خوشی ہوئی کہ تھوڑے ہی دنوں کے ذکر وغیرہ سے اللہ نے آپ کو ذہنی سکون عطا فرمایا۔ یہ بہت بڑی دولت ہے۔ آئندہ حلقہ کی تعلیم پر جو بہت سادہ اور آسان ہے، دل جمعی کے ساتھ عمل کرتے رہیں۔ اِن شاء اللہ سب کچھ مل جائے گا۔ مگر وقت، ہمت اور عقیدت شرط ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو استقامت دے آمین!

## توجہ کے وقت نیند آنا

(بنام عزیز عارف 25-7-1973)

''توجہ لیتے وقت نیند آ جانے کا مطلب ہے کہ ابھی آپ میں توجہ قبول کرنے کیلئے قوتِ برداشت کافی نہیں ہے۔ لہٰذا پاس انفاس اور خصوصاً نفی اثبات زیادہ توجہ اور کافی دیر تک کچھ دن کریں تو یہ شکایت جاتی رہے گی''۔

## عمل اور تعویذ وغیرہ نہیں جانتا

(بنام عزیز عارف 24-8-1973)

''آپ نے اپنے ہم زلف کے گھر کی بلا کے متعلق جو لکھا ہے تو اس میں میں کچھ نہیں کر سکتا۔ کسی عامل کو دکھائیں۔ میں عمل اور تعویذ وغیرہ نہیں جانتا۔ البتہ عامل ایسا ہو جو اللہ واسطے کام کرتا ہو۔ پیسے نہ لیتا ہو۔ ورنہ خود جادو کر کے زیادہ پیسے مانگتے ہیں''۔

## چڑیل یا خبیث رُوح

''آپ نے جو لکھا ہے کہ میں کسی گھر سے چڑیل یا خبیث روح کو نکال دیا تھا یہ بالکل غلط ہے۔ میں نہ تو یہ کام جانتا ہوں نہ کرتا ہوں۔ میری نظر میں یہ نہایت ہی ذلیل کام ہیں۔ میں تو صرف اللہ اللہ سکھاتا ہوں۔ برائے مہربانی آئندہ مجھے اسکی بابت کچھ نہ لکھیں۔

### دُعائے مغفرت

☆ عتیق احمد عباسی (راولپنڈی) کی اہلیہ اور
☆ محمد اسلم شاہ بخاری (ملتان) کے بھائی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ سب برادران مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے دُعا فرمائیں!

# نماز کی اھمیت

(پیر خان توحیدی)

اللہ کا شکر عظیم ہے جس نے ہمیں انسان بنایا۔ انسان بنا کر مسلمان بنایا پھر اپنے پیارے حبیب رحمت العالمین کی اُمت میں پیدا فرمایا۔ اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا اور نمازی بنایا۔ یہ مومنوں پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے۔ اِس سے قبل بھی جتنے رسول، جتنے نبی گذرے سب نے اپنی اُمتوں کو اسلام کی تعلیم فرمائی اور نماز قائم کرنے کی تلقین کی۔

اسلام کیا ہے؟ اسلام ایک دین ہے اور اِس کے ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں یہ وہ دین ہے جو مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ وہ دین ہے جو لوگوں کو صرف ایک اللہ کو ماننے اور اُسی کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ حرام کاری، خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں، بے حیائیوں سے منع کرتا ہے۔

اسلام پانچ ارکان کا مجموعہ ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) کلمہ۔

(2) نماز۔

(3) روزہ۔

(4) حج۔

(5) زکوٰۃ۔

یہ وہ پانچ ارکان ہیں جن کے بغیر اسلام پورا نہیں ہوتا۔ انہیں ہم اسلام کی عمارت کے ستون بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِن میں پہلے دو ستون یعنی کلمہ اور نماز کی اہمیت اِس لئے زیادہ ہے کہ باقی ستونوں کا دارومدار بھی اِنہی پر منحصر ہے۔

کلمہ اِسلام کا وہ رُکن ہے جس کے ذریعہ انسان دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور یہ کلمہ کچھ لمبا چوڑا بھی نہیں صرف چند الفاظ ہیں لا اِلٰہ اِلا اللہ محمد رسول اللہ۔ اِن الفاظ کو زباں سے ادا کرتے ہی آدمی کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ پہلے کافر تھا اب مسلمان ہو گیا۔ پہلے ناپاک تھا اب پاک ہو گیا

پہلے دوزخ جانے والا تھا اب جنت کا دروازہ اُس کیلئے کھل گیا۔ اِس کلمے کی وجہ سے آدمی اور آدمی میں بھی فرق ہو جاتا ہے۔ جو اِس کلمہ کو پڑھنے والے ہیں وہ ایک اُمت ہیں اور جو اِس کا انکار کرتے ہیں وہ دوسری اُمت ہو جاتے ہیں۔

اب ہم بات کرتے ہیں دوسرے رُکن کی یعنی نماز کی۔ نماز اسلام کا بہت اہم رُکن اور اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔ جنت میں جانے کی ضمانت قرار دیا ہے۔ نماز کا وقت ہوتا تو آپ حضرت بلالؓ کو اِن الفاظ سے حکم فرماتے **اقم الصلاۃ یا بلال ! ارحنابھا** "اے بلالؓ ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ" (ابوداؤد) نماز کو رسول اکرم ﷺ نے جنت میں جانے کی ضمانت قرار دیا۔ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ کیلئے وضو کا پانی اور دوسری چیزیں لایا کرتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے خوش ہو کر فرمایا "ربیعہ! مانگو" کیا مانگتے ہو۔ حضرت ربیعہؓ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جنت میں آپکی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو پھر کثرت سجود سے میری مدد کرو (صحیح مسلم) یعنی تمہارے نامہ اعمال میں کثرتِ نماز میرے لئے سفارش کرنا آسان بنادے گی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کامیاب لوگوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ لوگ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں (المومنون)۔ انہیں تجارت اور خرید وفروخت اللہ کی یاد، اقامت نماز اور ادائے زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی (سورہ نور 37) اللہ تعالیٰ نے نماز کو اقامت دین کی تمام تر جدوجہد کا حاصل قرار دیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ (مومنون 41) تکلیف دُکھ اور رنج کے وقت مومن کا یہی سب سے بڑا سہارا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔ (بقرہ 53) حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے اہل وعیال کو بیت الحرام کے پاس بے آب وگیاہ جگہ پر لے آئے تو بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا

بنا۔(ابراہیم 40) حضرت اسماعیل کے جن اوصاف کا ذکر قرآن مجید نے فرمایا اِن میں ایک یہ بھی تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے (مریم-55) رسول اکرم ﷺ کو بھی اِس بات کا حکم دیا گیا کہ اے محمد ﷺ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دو اور خود بھی اِس کے پابند رہو۔(سورہ طٰہٰ-133)

نماز میں غفلت، کاہلی اور سستی سے کام لینے کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی نشانی بتایا ہے قیامت کے روز جہنمیوں کا ایک گروہ جہنم میں جانے کا ایک سبب یہ بیان کرے گا۔ **لم نک من المصلین** کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے (مدثر 43) قرآن مجید میں نماز کے بارے جتنے احکامات صادر ہوئے ہیں اور کسی رُکن کے بارے میں صادر نہیں ہوئے۔ نماز اسلام کا وہ رُکن ہے جو کسی حالت میں ساقط نہیں ہوتا۔ حالت امن ہو یا حالت خوف ہو۔ گرمی ہو یا سردی، تندرستی ہو یا بیماری حتیٰ کہ جہاد وقتال کے موقع پر عین میدانِ جنگ میں بھی یہ فرض ساقط نہیں ہوتا۔ حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں حالتِ علالت میں بھی رسول اللہ ﷺ کو جس چیز کی سب سے زیادہ فکر تھی وہ نماز تھی وفات مبارک سے چند لمحے پہلے آپؐ نے اُمت کو جو آخری وصیت فرمائی وہ بھی نماز کے بارے میں تھی۔ آپؐ نے فرمایا **الصلاۃ الصلاۃ وما ملکت ایمانکم** یعنی مسلمانو نماز اور اپنے غلاموں کا خیال رکھنا۔

نماز بذاتِ خود جتنی اہم ہے طریقہ نماز بھی اِسی قدر اہم ہے۔ نماز کے بارے میں حکم صرف یہی نہیں کہ نماز ادا کرو بلکہ حکم یہ ہے کہ نماز اِس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔(صحیح بخاری) مسلمانوں کے علاوہ دوسری اقوام بھی عبادت کرتی ہیں لیکن ان کے طریقے مختلف ہیں وہ اپنی مرضی اور اپنی پسند کے طریقے اختیار کرتے ہیں اللہ کے سوا انہوں نے اور بھی کئی معبود بنا رکھے ہیں جن کے سامنے سجدے کرتے ہیں اور اِنہی کو حاجت روا اور مشکل کشاء مانتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے عملی طور پر مسلمانوں کو نماز کا طریقہ بتایا اور حکم دیا کہ سجدہ خدائے وحدہ لا شریک کیلئے ہے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشاء بھی ہے اور اِسی اقرار کے ساتھ ہم دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ایک حدیث میں

ارشادِ مبارک ہے کہ قیامت کے روز حقوق اللہ میں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ جس کی نماز درست طریقہ یعنی نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر پڑھی گئی ہوگی وہ کامیاب و کامران ہوگا اور جس کی نماز بگاڑ دی گئی ہوگی وہ ناکام و نامراد ہوگا (بحوالہ ترمذی) برادرانِ اسلام غور فرمائیں قیامت کے روز جس چیز کا حساب ہوگا وہ یہ نہیں ہوگا کہ نماز پڑھی یا نہیں پڑھی بلکہ حساب اِس بات کا ہوگا کہ نماز سنت کے مطابق پڑھی گئی یا نہیں۔ اِس حدیث سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ادائیگی نماز کے ساتھ ادائیگی نماز کا طریقہ کس قدر اہم اور ضروری ہے۔

سرورِ عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دے رکھا تھا کہ میرا ہر عمل چاہے وہ جلوت میں ہو یا خلوت میں ہو تم اِس کی پیروی کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ۔ نماز وہ عمل ہے جو جلوت میں ہی ادا ہوتا ہے اِس لئے صحابہ کبارؓ آپ کے اِس عمل کو بہت غور سے مشاہدہ فرماتے اور ایک ایک بات کو نوٹ کر کے ذہن نشین کرتے حتیٰ کہ وہ دیکھتے کہ آپ کس طرح رکوع، سجود، جلسہ اور قعدہ کرتے ہیں اور کس طرح سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ یہ صرف ایک دو صحابہ کا کام نہ تھا بلکہ سارے اصحابؓ اِن باتوں کو نوٹ کرتے اور اپنے ذہن کے خزانہ میں محفوظ کر لیتے۔ یہ سارے طریقے صحابہ کے ذریعہ تابعین، تبع تابعین، آئمہ اربعین، بزرگان دین اور علمائے کاملین سے ہوتے ہوئے اُمت محمدیہ تک پہنچے۔ اب بھی اگر کوئی ان طریقوں کے مطابق نماز نہیں پڑھتا یا اِن طریقوں کو سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا تو پھر اسے اِس کا حساب دینا ہوگا۔ وہاں پر یہ عذر نہیں چلے گا کہ مجھے اِن طریقوں کا پتہ نہ تھا۔ جب انسان دنیا کے بارے میں سارے طریقے سیکھ سکتا ہے تو پھر نماز پڑھنے کا طریقہ بھی اُسے سیکھنا ضروری ہے۔ اللہ کا قانون ہے کہ وہ اپنے بندوں سے ہر چیز کا حساب لے گا اور اِسی پر اُس کی آخروی زندگی کا دارومدار ہوگا اور نماز ہی وہ عمل ہے جس سے اِس کے حساب کی ابتدا ہوگی۔

نماز کے تیرہ (13) فرائض ہیں، چودہ (14) واجبات، اکیس (21) سنتیں اور پانچ (5) مستحبات ہیں۔ ہر مسلمان کو اِن فرائض، واجبات، سنت اور مستحبات کے بارے جاننا ضروری ہے۔ نماز کا فرض چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوتی۔ واجب چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ سنت اور مستحب چھوٹ جانے سے نماز ہو جاتی ہے لیکن نماز کے معیار میں کمی ہوتی ہے۔

اِس وقت ہم صرف نماز کے فرائض کے بارے میں بات کریں گے۔

## فرائض نماز:۔

نماز کی تیرہ فرائض ہیں جن میں سات فرض نماز شروع کرنے سے پہلے ادا کرنے پڑھتے ہیں ان کو شرائطِ نماز کہتے ہیں اور چھ فرض نماز کے اندر ادا کئے جاتے ہیں جن کو ارکانِ نماز کہتے ہیں۔

## شرائطِ نماز:۔

(1) بدن کا پاک ہونا:۔ بدن کہتے ہیں پورے جسم کو یعنی پاؤں سے لیکر سر تک۔ اگر بدن کا کوئی بھی حصہ پاک نہ ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ چونکہ اللہ پاک ہے وہ پاکی کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا نماز شروع کرنے سے پہلے یہ تسلی کر لینی چاہیے کہ نمازی کا بدن ہر قسم کی گندگی اور نجاست سے پاک ہے۔ بدن کو میل کچیل سے بھی صاف رکھنا ضروری۔ اس لئے گرمیوں میں تو ہر روز غسل کر لینا چاہیے اور سردیوں میں ہفتہ میں کم از کم دو بار تو نہا لینا چاہیے۔

(2) کپڑوں کا پاک ہونا:۔ کپڑے ہمارے جسم کی زینت ہیں اِن سے ہم اپنا ستر ڈھانپتے ہیں۔ یہ ہمیں گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں۔ نئے اور دُھلے ہوئے کپڑے اللہ کی ثناء بیان کرتے ہیں جس سے ہمیں روحانی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ جب یہ میلے ہو جاتے ہیں تو یہ اللہ کی ثناء پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں جسکی وجہ سے جسم اور روح پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بھی کپڑے پاک رکھنے کا حکم دیا کہا **و ثیابک فطھر** (مدثر) کوشش کرنی چاہیے کہ ہر وقت پاک صاف کپڑے پہنے جائیں۔ نماز کیلئے ایک مخصوص جوڑا ہونا چاہیے کیونکہ اِس وقت بندہ حاکم الحاکمین بادشاہوں کے بادشاہ کے دربار میں کھڑا ہوتا ہے اور اللہ اُس کی طرف نگاہ کرم فرماتا ہے۔

(3) جگہ کا پاک ہونا:۔ نماز شروع کرنے سے قبل اِس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ نماز کی جگہ ہر قسم کی گندگی نجاست سے پاک ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدی ﷺ کیلئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے حالانکہ دوسرے مذائب کے لوگ اپنی مخصوص جگہ کے سوا کہیں اور عبادت نہیں کر سکتے مگر یہ اعزاز اُمتِ محمدی کو حاصل ہے کہ وہ زمین کے کسی حصہ پر نماز پڑھ سکتے ہیں لیکن اِس جگہ کا پاک ہونا ضروری ہے۔

(4) ستر کا چھپانا:۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک کا حصہ ہے اور عورت کا سارا جسم

صرف چہرہ۔ گھٹنوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں کھلے رہیں۔ مرد کا ستر ناف سے ٹخنوں تک بیان کیا گیا ہے وہ صرف مجبوری کی حالت میں ہے ورنہ مرد اور عورت دونوں اپنی استطاعت کے مطابق اچھے سے اچھے کپڑے پہن کر نماز ادا کریں۔

(5) وقت کا تعین کرنا:۔ ہر نماز کیلئے وقت مقرر کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا ہر نماز کو وقت مقررہ پر ادا کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ بے وقت کی نمازیں کوئی فائدہ نہ دیں گی بلکہ اللہ کی ناراضگی کا ذریعہ بن جائیں گی۔ وقت پر نماز ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر نماز کے ادا کرنے کیلئے ادھا پونہ گھنٹہ پہلے تیاری کرنا شروع کر دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کا یہ عمل کہ ''جب وہ اذان کی آواز سنتا ہے تو سارے کام پس پشت ڈال کر مسجد کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ بہت پسند ہے اِس موقع پر شیطان بھی زور آزمائی کرتا ہے۔ کہتا ہے ابھی بہت وقت ہے۔ یہ کام ادھورا رہ جائے گا۔ گاہک چلا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔ اِسی کش مکش میں جب وقت گذر جاتا ہے تو دوسرا حملہ اِس طرح کرتا ہے۔ جلدی کر وقت تھوڑا ہے بس منہ پر چھینٹے مار اور پاؤں پر پانی بہا اور نماز میں مل جا۔ اِس طرح نہ تو آدمی صحیح طریقہ سے وضو کرتا ہے اور نہ تکبیر اولیٰ کو پا سکتا ہے۔ بعض اوقات اُس کی جماعت ہی چلی جاتی ہے یا کہیں آخری رکعت میں شامل ہو کر سمجھتا ہے کہ اُس کی نماز ہو گئی۔ جس نماز کیلئے وضو ہی ٹھیک نہ کیا جائے وہ کیا نماز ہو گی کیونکہ وضو نماز کی کنجی ہے جب کنجی ہی ٹوٹی پھوٹی ہو تو قفل کیسے کھلے گا۔ نماز کو وقت پر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی دل میں یہ ٹھان لے کہ میں ہر وضو کے بعد دو نفل تحیۃ الوضو ادا کر کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھوں گا۔

(6) قبلہ کی طرف رُخ کرنا:۔ ہر نمازی کیلئے قبلہ کی سمت معلوم کرنا لازمی اور ضروری ہے کیونکہ قبلہ رُخ کے بغیر کسی اور رُخ نماز نہیں ہوتی اگر کوئی غلطی سے پڑھ لے تو معلوم ہونے پر نماز کا اعادہ کرے۔

(7) نیت کرنا:۔ دل میں ''جو بھی نماز پڑھے'' اُس کی نیت کرنا ضروری ہے اور اگر زبان سے بھی کہہ دے تو اچھا ہے۔ اگر عربی میں نیت پڑھنا سیکھ لے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

## ارکانِ نماز

(8) تکبیر تحریمہ یا تکبیر اولیٰ:۔ یہ وہ فرض ہے جس سے نماز پڑھنے کی ابتدا ہوتی ہے اِس کی بڑی فضیلت ہے اِسے تکبیر تحریمہ اِس لئے کہتے ہیں اِس کے پڑھنی کے ساتھ ہر وہ چیز جو

پہلے حلال تھی اب حرام ہوگئی اور آدمی کا رابطہ اللہ سے قائم ہوگیا۔ اِس میں دونوں ہاتھ کانوں تک اِس طرح اُٹھائے کہ ہاتھ کھلے ہوں ہتھیلیاں قبلہ رُخ ہوں۔ بعض لوگ سر کو نیچے کر کے کانوں کو ہاتھوں سے ملاتے ہیں یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔

(9) قیام کرنا:۔ یہ وہ فرض ہے جس میں آدمی کھڑا ہو کر اللہ کی ثناء کرتا ہے حمد کرتا ہے اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھتا ہے۔ قیام میں اِس طرح کھڑا ہونا کہ ہاتھ ناف کے زرا نیچے باندھے ہوں۔ دونوں پاؤں قبلہ رُخ ہوں دوران کا درمیانی فاصلہ نہ زیادہ ہو اور نہ کم ہو۔ جسم کا وزن دونوں ٹانگوں پر برابر ہو۔ نگاہ سجدے والی جگہ پر مرکوز ہو۔ جسم بالکل ساکن حالت میں ہو۔ بعض لوگوں کو قیام میں جھومنے کی عادت ہوتی ہے جو سنت کے خلاف ہے۔

(10) قرأت یعنی قرآن کا پڑھنا:۔ جہری نمازوں میں بلند آواز سے اور خفی نمازوں میں دھیمی آواز سے قرأت کرنا لازمی ہے۔ اکیلے نماز پڑھنے والے کو دھیمی آواز سے ہی پڑھنا ضروری ہے۔

(11) رکوع کرنا:۔ رکوع اِس طرح کرنا چاہیے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں کے اوپر مضبوطی سے رکھے ہوں۔ کمر اور سر دونوں ایک سیدھ میں ہوں اور نگاہ پاؤں کی پیٹھ پر ہو۔

(12) دونوں سجدے:۔ چونکہ ہر رکعت میں دو سجدے ہوتے ہیں اور یہ دونوں فرض ہیں۔ سجدہ اِس طرح کرے کہ دونوں پاؤں کھڑے ہوں اور اِن کی انگلیاں زمیں پر قبلہ رُخ ہوں۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں، دونوں گھٹنے، ناک اور پیشانی بھی زمین کے ساتھ لگے ہوں۔ نماز کا یہ فرض اللہ کو بہت پسند اور محبوب ہے اوہ اپنے بندوں کو اپنے سامنے سجدے کرتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور اُن پر اپنے لطف و کرم کی بارش برساتا ہے۔

(13) آخری قعدہ:۔ تشہد کی مقدار بیٹھنا اور تشہد پڑھنا آخری قعدہ کہلاتا ہے۔ دو رکعت والی نماز میں ایک ہی قاعدہ ہوتا ہے لہٰذا وہی آخری قعدہ ہے جبکہ چار یا تین رکعت والی نماز میں دو قعدے ہوتے ہیں اِن میں پہلا قاعدہ واجب ہے اور آخری قعدہ فرض ہے۔ اگر پہلا قعدہ چھوٹ جائے تو نماز نہ ہوگی۔ ہر دو قعدہ میں اِس طرح بیٹھے کہ دائیاں پاؤں کھڑا بایاں پاؤں بچھا کر اُس پر بیٹھ جائے۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں کے ساتھ متوازی ہوں۔ ہاتھوں کی اُنگلیاں نہ گھٹنوں سے نیچے لٹکی ہوں اور نہ ہی بہت پیچھے ہوں۔ نگاہ دِل کے اُوپر ہو۔ اکثر لوگ جب قعدے سے اُٹھ

کر قیام میں آتے ہیں تو آگے پیچھے ہو جاتے ہیں جس سے صف ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔ اس کو برقرار رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں پاؤں کے انگوٹھے پر دھیان رکھیں اِسے نماز کی چکی بھی کہتے ہیں اور یہ اپنی اور یجنل جگہ پر رہے گا تو اِن شاءاللہ آدمی صف میں ہی رہے گا۔ اور صف کبھی ٹیڑھی نہ ہوگی۔

ہر نمازی کا فرض بنتا ہے کہ وہ نماز کے فرائض اور واجبات سے واقفیت حاصل کرے خصوصی طور پر توحیدی بھائیوں کو اِس طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے اور سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قبلہ انصاریؒ کا یہ فرمان ہے کہ جو توحیدی نماز میں غفلت کرے گا اُسے آخرت میں سزا تو ملے گی لیکن دنیا میں بھی بطور سزا اِس کی روزی سے برکت اُٹھ جائے گی۔ قبلہ ڈار صاحب بھی اپنی تحریروں اور تقریروں میں سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں۔

(1)۔ بے نمازی کا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن حلف کے ساتھ ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ''جس نے نماز کی حفاظت کی اِس کیلئے نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات کا باعث ہوگی۔ اور جس نے نماز کی حفاظت نہ کی اِس کے لئے نہ نور ہوگا، نہ برہان، نہ نجات۔ نیز قیامت کے روز اِس کا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن حلف کے ساتھ ہوگا۔ اِسے ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

(2) اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (مسلمان) آدمی شرک اور کفر کے درمیان (حدِ فاصل) ترک نماز ہے۔ اِسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

(3) نماز گناہوں کی آگ کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ کا مقرر فرشتہ پکارتا ہے۔ ''لوگو اُٹھو اِس آگ کو بجھانے کے لئے جسے تم نے اپنے گناہوں سے جلایا ہے۔ اِسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔

(4) بے نمازی کی محشر میں رسوائی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے۔ **فویل اللمصلین هم عن صلاتهم ساهون۔**
پس خرابی ہے اِن نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں۔ جس دن حق تعالیٰ شانہ ساق کی تجلی فرمائیں گے جو ایک خاص قسم کی تجلی میدان حشر میں ہو گی اِس تجلی کو دیکھ کر سارے مسلمان مرد عورتیں سجدے میں گر جائیں گے لیکن کچھ لوگوں کی کمریں تختہ کی طرح ہو جائیں گی اور وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے یہ وہی لوگ ہونگے جو دنیا میں صحت اور تندرستی کے باوجود نماز نہیں پڑھتے تھے اِن کی نگاہیں نیچے ہونگی اور اِن پر ذلت وخواری چھائی ہوگی۔ (صحیح بخاری)

(5) نماز کی چوری

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرتا ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ نماز میں کیسے چوری کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا جو آدمی رکوع اور سجدہ سنت کے مطابق نہیں کرتا وہی نماز کا چور ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسلام کی علامت نماز ہے۔ نماز دین کا ستون ہے نماز شیطان کا منہ کالا کرتی ہے۔ نمازِ مومن کا نور ہے۔ نماز جنت کی کنجی ہے۔ نماز مومن کی معراج ہے۔ نماز میں بندہ اپنے رب سے ہم کلام ہوتا ہے۔ نماز برائیوں، بے حیائیوں سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ عز وجل سب مسلمانوں کو پابندی وقت اور سنت کے مطابق جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی توفیق دے۔

# سلوک اور اِسکے عملی طریقے

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

## نفرت

یہی حال نفرت کا ہے، لیکن نفرت طبعی صفت نہیں ہے۔ دراصل پسندیدگی اور ناپسندیدگی طبعی صفات ہیں۔ اگر یہ دونوں صفات انسان میں نہ ہوں تو نیک باتوں کو پسند کر کے اختیار نہ کرے اور بری باتوں سے باز نہ رہ سکے۔ نفرت اسی ناپسندیدگی کی انتہائی حالت ہے۔ غصہ تو اکثر حالات میں ضروری بھی ہے مثلاً دفاع، عزت و ناموس اور جہاد میں، لیکن نفرت تو کسی حالت میں بھی فائدہ بخش نہیں۔ نفرت کی کیفیت یہ ہے کہ دل جلتا ہے' خون کھولتا ہے' آدمی جس سے نفرت کرتا ہے اِس کو ذلیل سمجھتا ہے۔ پھر یہی نفرت اِس کو دشمنی اور ایذارسانی پر آمادہ کر دیتی ہے اور وہ ایسی ایسی حرکتیں کر گزرتا ہے جو شرافت کے خلاف ہوتی ہیں اور وہ اگر کوئی ایسی حرکت نہ بھی کرے صرف دل میں جلتا بھنتا رہے تو یہی کیا کم ہے۔ اس سے دماغ پریشان ہوتا ہے، سکون قلب مفقود ہو جاتا ہے اور جس سے وہ نفرت کرتا ہے اس کا کچھ بھی نہیں بگڑتا۔ نفرت ان چیزوں پر آتی ہے، بری شکل وصورت، بری وضع قطع، بری حرکات و عادات، برے افعال، گندی اور ناپاک اشیاء وغیرہ۔ جہاں تک بری شکل وصورت کا تعلق ہے، تم کو سوچنا چاہئے کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے اس سے نفرت کرنا تو خود اللہ تعالیٰ کے فعل اور صناعی سے نفرت کرنا ہے۔ اگر کسی کے افعال و حرکات سے نفرت ہو تو یہ سوچو کہ وہ آدمی اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے مرنے کے بعد ان افعال کی بابت اسی سے پوچھا جائے گا، مجھ سے سوال نہ ہوگا میں اپنے دل کو خواہ مخواہ کیوں جلاؤں، اس طرح خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ کیا ہم برے اور قبیح کاموں سے نفرت نہ کریں؟ تو جواب یہ ہے جب آپ سلوک کے قواعد پر عمل کر رہے ہیں تو آپ کو واقعی برے کاموں سے ناپسندیدگی کا جذبہ تو رکھنا چاہئے لیکن جذبہ نفرت کسی طرح بھی مفید نہیں ہوتا بلکہ تصفیہ قلب میں رکاوٹ ڈالتا ہے، کیونکہ اس سے دل جلتا رہتا ہے۔ جس کی نفی ممکن نہیں ہوتی۔ کر

کے دیکھنے سے آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ نفرت اور ناپسندیدگی میں کیا فرق ہے۔ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے لیکن جذبہ نفرت جس دل میں ہوتا ہے وہ خدا کی طرف رجوع نہیں ہوسکتا۔

غصہ اور نفرت سے اور بہت سی بری عادتیں بھی پیدا ہوتی ہیں مثلاً غرور، تکبر، بغض وحسد، کینہ ، تجسس، عیب جوئی، نکتہ چینی، پھکڑ پن، دوسروں کا مذاق اڑانا، بدبینی، بدگوئی، بدخواہی، غیبت، چغلی، دشمنی، ایذارسائی، دل شکنی اور قتل وغیرہ۔اور ان دو باتوں کو نفی کر دینے سے انسان تمام متذکرہ برائیوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم صرف خوبیوں پر نظر رکھو۔ برائیوں کو دیکھو ہی نہیں۔ انسان کے حواس جس چیز کے مطالعہ میں منہمک رہتے ہیں وہی رنگ اس انسان کے کردار میں پیدا ہو جاتا ہے۔ پولیس والوں کا اخلاق عام طور پر اسی لئے گندہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ انسان کی برائیوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ جو کوئی کوئلہ کے گودام میں کام کرے گا، اس کے کپڑے اور منہ ضرور کالا ہو جائے گا۔

## 8۔عالمگیر محبت اور صداقت

محبت کے جذبہ کی جتنی بھی تعریف کی جائے بہت کم ہے۔ محبت کا جذبہ ہی تخلیق عالم کا اصل سبب ہے۔ دنیا کی تمام خوبیاں، لذتیں، رونق، زیبائش وآرائش محبت ہی کی وجہ سے ہے۔ ہر نوع کی مادہ جو اپنے بچوں کو پرورش کرتی ہے محبت ہی کے جذبہ سے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت خالصتاً محبت ہی ہے، عورت اسی شان ربوبیت کا مثالی مظہر ہے، خالق اپنی مخلوق سے جتنی محبت کرتا ہے کوئی ماں اپنے بچوں سے بھی اتنی محبت نہیں کرتی۔ اس لئے سالک کو چاہئے کہ کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرے۔ یہ ایک تعمیری جذبہ ہے اور دنیا کی فلاح و بہبود اور تمدن وتہذیب کی ترقی اسی جذبہ پر منحصر ہے۔

محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کی صرف خوبیوں کو دیکھو ان کی برائیوں کو نہ دیکھو۔ یاد رکھو کہ انسان کمزوری اور خطا کا مرکب ہے، ہر شخص غلطیاں کرتا ہے، تم خود معصوم نہیں ہو، اس لئے دوسروں کی غلطیوں اور خطاؤں پر ان کے ساتھ درشتی نہ کرو بلکہ عفو وکرم سے پیش آؤ اور یقین رکھو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ عفو کرم سے پیش آؤ گے تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ عفو و

کرم سے ہی پیش آئے گا۔ محبت پیدا کرنے کی دوسری ترکیب یہ ہے کہ دل کو غصہ اور نفرت کے جذبات سے پاک رکھو اور لوگوں پر احسان کیا کرو اور جو کوئی تم پر احسان کرے تم اس کو خوشی سے قبول کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور احسان کا بدلہ احسان دو۔ احسان کے معنی محض نیکی کرنے کے ہیں لیکن آج کل اس کو گالی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ زبان میں بے شمار ایسے فقرے پیدا ہو گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسان کوئی بہت ہی بری چیز ہے میری جوتی اس کا احسان اٹھاتی ہے، میں تیرے باپ کا احسان مند نہیں ہوں وغیرہ۔ یہ نہایت ہی غیر اسلامی خیالات ہیں۔ اگر احسان اٹھانا برا ہوتا تو قرآن میں احسان کرنے اور احسان کا بدلہ احسان سے دینے کا حکم دیا جاتا۔ احسان سے جماعت میں رابطہ اور اتحاد پیدا ہوتا ہے تعمیر ملت کے لئے احسان بہت ضروری ہے۔

یہاں ایک خیال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ سے قلبی تعلق اور محبت رکھو، دوسری طرف تمام مخلوق سے محبت کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مخلوق سے محبت کرو صرف اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے۔ اس طرح تم جس قدر محبت مخلوق سے کرو گے اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھتی جائے گی اور جن ہستیوں سے اللہ تعالیٰ بہت زیادہ محبت کرتا ہے تم کو بھی ان سے نسبتاً اسی قدر محبت زیادہ ہو جائے گی۔ غایت اس کی یہ ہے کہ تمہارے دل میں خالص محبت کا جذبہ سمندر کی طرح جوش مارنے لگے۔

## صداقت

صداقت کہنے کو ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن انسان کے تمام اقوال و افعال اور حرکات و سکنات پر حاوی ہے۔ لوگ صداقت کے معنی صرف سچ بولنے کو سمجھتے ہیں، یہ بات نہیں ہے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، دل، سب ہی کی صداقت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سورہ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے کہ ''کان آنکھ اور دل سبھی کی پوچھ ہوگی'' یہاں ہر ایک کے افعال الگ الگ لکھنے کی گنجائش نہیں، صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ ہر عضو کے افعال کا اوامر الٰہی کے مطابق ہونا ہی صداقت ہے۔

صداقت اس قدر ضروری ہے کہ اگر کبھی محبت اور صداقت کا مقابلہ آن پڑے تو صداقت پر عمل کرنا اور محبت کو قربان کر دینا چاہئے ورنہ تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا، مثلاً اگر تم جج

یا مجسٹریٹ ہو اور تمہارا اپنا بیٹا ملزم کی حیثیت سے تمہارے سامنے آئے اور تمہاری تحقیق کے مطابق وہ واقعی مجرم ہو تو محبت کی وجہ سے اس کو رہا اور بری کر دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ صداقت کی بناء پر پوری سزا دینا تمہارا فرض ہے۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کی مثال یاد رکھو کہ کس طرح انہوں نے اپنے لخت جگر کو درے لگوائے اور جب وہ مر گئے تو بیس درے ان کے مردہ جسم پر پورے کئے اور پھر لاش کو گلے لگا کر روئے اور پیار کیا اور کہا بیٹا یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پاک وصاف جائے اور وہاں جواب دہ نہ ہو۔ اب تفکر کا بیان سنئے، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ جب تک اوپر بتائی ہوئی آٹھ باتوں میں کافی دستگاہ نہ ہو جائے تفکر شروع نہ کیا جائے ورنہ عام حالتوں میں بجائے فائدے کے نقصان ہوتا ہے۔ ہاں شیخ کامل کسی خاص طالب میں یہ استعداد دیکھے تو کسی خاص منزل سے بھی شروع کرا سکتا ہے۔

### 9۔ تفکر

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا حکم دیا ہے کہ ہماری آیات پر غور کرو۔ آیات سے مراد کہیں تو قرآن کی آیات وعبارت ہی ہے لیکن زیادہ تر زمین و آسمان میں قدرت کی نشانیاں مقصود ہیں ۔اس حکم پر اتنا زور دیا گیا ہے کہ عبادت کا احکام پر بھی نہیں دیا گیا۔ عبادت کے متعلق تقریباً ایک سو پچاس آیات ہیں لیکن مطالعہ کائنات کے متعلق چھ سو سے زیادہ آیات ہیں۔ اس مطالعہ اور غور و فکر سے یہ مطلب نہیں کہ بس بیٹھے ہوئے آنکھ بند کر کے سوچتے رہو اور جب دماغ تھک جائے تو سوچنا چھوڑ دو، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اشیائے کائنات کی ہیئت ترکیبی اور خواص کا علم حاصل کرو اور ان قوانین فطرت کا مطالعہ کرو جب کی بدولت کائنات کا یہ نظام قائم ہے۔ اور جو علم اس طرح حاصل ہو اس سے خود فائدہ اٹھاؤ اور نوع انسانی کو فائدہ پہنچاؤ۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اختلاف لیل ونہار پر غور کرو، اس کا مطلب یہ کہ تم یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ دن رات کیوں ہوتے ہیں پھر چھوٹے بڑے کیوں ہو جاتے ہیں اور موسم کیوں بدلتے ہیں۔ اگر ہمارے علماء اس حکم خداوندی کی تکمیل کرتے تو وہ یہ معلوم کر لیتے کہ زمین گول ہے اور اپنے محور اور مدار کے گرد گھومتی ہے۔ لیکن اس حکم پر انہوں نے نہیں بلکہ اغیار نے عمل کیا اور انہوں نے یہ باتیں معلوم کیں

جن سے جغرافیہ اور علم ہیئت میں ایک بڑے مفید باب کا اضافہ ہوا، ان احکام میں "حکمت" یہ ہے کہ ایک تو تم قیامت تک عمل میں مصروف رہو گے جو قوموں کی زندگی کے لئے پہلی شرط ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہاری قوم برابر ترقی کرتی رہے گی اور دوسری قوموں پر غالب رہے گی۔ ان احکام میں سے مثال کے طور پر یہاں صرف دو آیتیں بیان کی جاتی ہیں سورہ اعراف آیت 185 میں ارشاد ہوتا ہے

**اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِی مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِاقْتَرَبَ اَجَلُھُمْ۔**

"کیا یہ لوگ کائنات اور اس میں جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں ان پر غور نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی موت قریب آ گئی ہے"

سورہ عنکبوت آیت 20 میں حکم دیتے ہیں

**قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْ کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ**

"مسلمانوں سے کہو کہ وہ کرہ زمین میں چل پھر سکیں کہ آفرینش کی ابتدا کیسے ہوئی"

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ آیتیں کس قدر واضح ہیں۔ پہلی آیت میں صاف صاف تنبیہہ ہے کہ جو قوم کائنات کی تخلیق پر غور یعنی قوانین فطرت کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرے گی وہ فنا ہو جائے گی، مٹ جائے گی۔ دوسری آیت میں تخلیق کائنات کا علم حاصل کرنے کے لئے کرہ زمین پر تحقیق کی غرض سے سفر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ الغرض کائنات کی چیزوں میں غور وفکر اور ان کی حقیقت و ماہیت معلوم کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ خود حضور سرور کائنات بھی اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:۔

**اللھم ارنا حقائق کل الا شیاء کماھی**

یعنی "اے اللہ ہمیں تمام اشیاء کی اصلی حقیقت سے آگاہ فرما" اس حدیث پاک کا ایک ایک لفظ جواہرات سے زیادہ قیمتی ہے خصوصاً الفاظ "ہمیں"، "تمام" اور "اصلی" خاص توجہ کے قابل ہیں، یعنی رسول پاک ﷺ اشیاء کا علم خود اپنے لئے ہی نہیں بلکہ امت کے ہر فرد کے لئے چاہتے

تھے، سبحان اللہ کیا کرم ہے۔ ''تمام'' سے مقصود یہ ہے کہ کوئی چیز بھی کائنات میں ایسی باقی نہ رہ جائے جس کا علم کسی مسلمان کو نہ ہو۔ ''اصلی'' سے مقصد یہ ہے کہ حقیقت معلوم ہونے میں بال برابر شبہ یا کسر نہ رہے۔ علاوہ ازیں حضور اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ

**تفکر ساعه من عبادة ستين سنته**

یعنی ''ایک گھڑی کا تفکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے'' ان آیات و احادیث کو پڑھنے کے بعد یقیناً ہر وہ مسلمان جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی ذرا سی بھی عزت و محبت ہے شرم سے اپنا سر نیچا کر لے گا اور یہ سوال کرنے کی ہرگز جرات نہیں کرے گا کہ ہمارے قومی زوال اور تباہی کی کیا وجوہات ہیں؟

حقیقت کائنات کی تخلیق کا نتیجہ کون کون سے علوم ہیں؟ کیا آپ انکار کر سکتے ہیں کہ وہ علوم طبیعات، علم طبقات الارض، علم الحیوۃ، علم نباتات، علم معدنیات، علم الحیوانات، فلکیات، علم ریاضی اور بے شمار دوسرے علوم ہیں جو آج کل یورپین اور امریکن اقوام کی واحد اجارہ داری میں پھل پھول رہے ہیں اور انہی علوم کی برکت سے وہ قوانین متمدن، مہذب، خوش حال اور صاحب اقتدار ہیں اور۔۔۔۔ہم؟

ع کچھ نہ پوچھ اے ہم نشین تو میری بابت کچھ نہ پوچھ

ہمارے ہاں تو ان علوم کا نام لینا بھی گناہ ہے، کونسے علوم کا۔۔۔؟ انہی علوم کا جن کو حاصل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جن کے حصول کے لئے رسول اللہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام پر ہمارا عمل، کیا اس معاملہ میں قرآن کی یہ آیت ہمارے اوپر صادق نہیں آتی جس میں فرمایا گیا ہے کہ کیا تم قرآن کی بعض باتوں کو تو مانتے ہو اور بعض کو نہیں مانتے، جو ایسا کرتا ہے اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس دنیا میں اس کی رسوائی ہو اور آخرت میں ایسے لوگ سخت عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں گے''، یہ آیت شروع میں دی جا چکی ہے، کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ آپ کی تباہی اور دنیا میں رسوائی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ ماڈرن علوم حاصل نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں جس چیز کی سزا میں یہ

رسوائی ہو رہی ہے۔

اب ہم تمام مسلمانوں خصوصاً علمائے دین اور امرائے ملت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ایمانداری سے اپنا محاسبہ کریں کہ آپ نے اللہ تبارک تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں کہاں تک سعی کی ہے۔نہیں کی تو کیا آپ کو کبھی خوف آتا ہے کہ مرنے کے بعد اس غفلت کے لئے آپ سے باز پرس کی جائے گی۔علمائے دین میں کون ہے جس نے یہ علوم یا ان میں سے کوئی سا علم حاصل کیا ہے؟امرائے ملت میں سے وہ کون ہے جس نے سکول،کالج،معمل (لیبارٹری) یا کوئی ادارہ ان علوم کے لئے کھولا ہے یا اس کے لئے کچھ روپیہ اللہ کے دیئے ہوئے روپے میں سے خرچ کیا ہے؟

اتنا بیان کر دینے کے بعد اب بتایا جاتا ہے کہ ''حکمت'' میں ''تفکر'' صرف یہ نہیں ہے کہ چادر سے منہ ڈھانپ کر کشف القبور یا مکاشفہ لطائف غیبی کا مراقبہ کر لیا اور بس، بلکہ تفکر کی دو قسمیں ہیں :ایک تفکر بالمشاہدہ، دوسری تفکر بالمراقبہ،ان کا حال آگے بیان کیا جاتا ہے:۔

## تفکر بالمشاہدہ

اس کے کئی طریقے ہیں

پہلا طریقہ:۔کائنات میں جتنی خوبصورت اور حسین چیزیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں مثلاً آسمان میں سورج، چاند، ستارے، شفق، بادل، بارش، قوس قزح اور زمین پر سمندر، دریا، چشمے آبشار، سبزہ، پھول، میوے، رنگ برنگے جانور، چرند پرند، طرح طرح کے خوبصورت پتھر، جواہرات اور دھاتیں وغیرہ۔ان سب کو غور اور دلچسپی سے دیکھنے کی عادت ڈالو اور یہاں تک دیکھو کہ ان میں جو حسن، نزاکت اور دلکشی ہے اس کا احساس پیدا ہو جائے۔جب یہ بات حاصل ہو جائے تو ان کے بنانے والے کا خیال کرو اور سوچو کہ وہ خود کتنا حسین اور صناع ہوگا۔اس مشق کا حاصل یہ ہونا چاہئے کہ تمہیں قدرت کی ہر مخلوق میں حسن مطلق کی جھلک نظر آنے لگے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا احساس ذہن نشین ہوتا چلا جائے۔یہ انہماک رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ جائے گا اور ایک ایسی ہستی کی موجودگی کا احساس پیدا ہوگا جو موجود تو ہے مگر دکھائی نہیں دیتی یہی حضوری

کی ابتدا ہے۔
اس مشق کو (پچھلے اعمال کے ساتھ ساتھ) اگر جاری رکھا جائے تو جس ہستی کا احساس پیدا ہوا تھا وہ نظر آنے لگے گی، یہ حضوری کا دوسرا درجہ ہے۔ کیا نظر آئے گا، اس کا بیان الفاظ میں نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو کہ یہ مشاہدہ ظاہری آنکھوں سے نہیں ہوگا، ایک ایسی حس کے ذریعے ہوگا جس کو بصارت کی روح کہنا چاہئے اور جو آنکھ سے کہیں زیادہ دیکھتی ہے۔ آنکھ تو چیزوں کی صرف ظاہری سطح کو دیکھتی ہیں نہ ان کے اندر دیکھ سکتی ہے نہ ان کے پیچھے کی طرف۔ مگر یہ حس جب بیدار ہو جاتی ہے تو چیزوں کے اندر باہر، اوپر نیچے، آگے پیچھے کی طرف دیکھتی ہے۔ یوں سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ

**اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ مُّحِيطٌ**، یا
**هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُوَ الظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ**۔

تو اس طریقہ تفکر سے ان آیات کا معنوی مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن یہ مشاہدہ بھی ہر طالب کو اسکی اپنی روحانی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ عین ذات کو تو جس طرح ہمارے سرکار دو عالم رسول اللہ ﷺ نے مشاہدہ فرمایا ہے، نہ پہلے کسی نے دیکھا نہ آئندہ دیکھ سکے گا۔ اس جگہ یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آیت **هُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُوَ الْبَاطِنُ**۔ (الحدید۔3)
کی تشریح میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے تو اکثر لوگوں کو جو صرف پڑھتے اور سنتے ہیں عملی طور پر کچھ نہیں کرتے دو وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح حلول کا مسئلہ ٹھیک ہوا، دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ گندی چیزوں میں بھی ہے تو وہ ناپاک کیوں نہیں ہو جاتا۔ ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے ارد گرد جو فضا اور خلا ہے اور جس میں بظاہر کچھ بھی نظر نہیں آتا اس میں ان گنت چیزیں موجود ہیں۔ اول تو یہ ہوا ہے جس کو تم جانتے ہو لیکن اور بھی بہت سی چیزیں مثلاً پانی کی نمی یا بھاپ م کئی قسم کی گیسیں، برق، ریڈیائی لہریں، ایتھرا اور کئی قسم کی شعائیں۔ ان ان چیزوں کا پتہ تو سائنس نے لگالیا ہے لیکن اور بھی بے

شمار چیزیں ہیں جن کا پتہ ابھی سائنس نہیں لگا سکا مگر اہل حال اور بصیرت باطنی رکھنے والے جانتے ہیں مثلاً نفس، عقل، روح، نفس وغیرہ اور جنت و دوزخ جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "جنت زمین و آسمان کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے" (سورہ آل عمران آیت 132)

اسی طرح اللہ ہے کہ ہر جگہ موجود ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ سب چیزیں جو اس فضا اور خلا میں موجود ہیں، ان میں ہر ایک اپنا اپنا کام کرتی ہے اور کوئی چیز کسی دوسری چیز سے نہ متاثر ہوتی ہے نہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈالتی ہے، حتیٰ کہ ریڈیو کی لہریں جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہیں اور کوئی مادی شے بھی ان کے لئے رکاوٹ کا سبب نہیں ہو سکتی، جب مخلوقات کا یہ حال ہے تو خود خالق کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ بذاتہ سب پاکوں کا پاک ہے اس پر کوئی شے اثر نہیں کر سکتی، ہر شے میں ہوتے ہوئے بھی ہر شے سے الگ ہے۔

یہاں ایک اور مثال پر غور کیجئے:۔

زمین پر گوبر اور گندگی کا ایک ڈھیر پڑا ہے اور آفتاب عالمتاب کی دھوپ اس پر پڑ رہی ہے اور دھوپ کی حرارت گندگی کے اندر کئی گز نیچے تک پہنچ رہی ہے۔ اب بتائیے کہ یہ دھوپ اور حرارت اس گندگی سے ناپاک ہو جائے گی یا خود اس کو پاک کر دے گی۔

بہرحال اس طریقہ تفکر سے جو مشاہدہ ہوتا ہے اسے سیر ہی سمجھنا چاہئے کیونکہ جو کچھ دکھائی دیتا ہے اس کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

دوسرا طریقہ:۔ جب پہلے طریقے پر عمل کرنے سے تجلیات وغیرہ کا مشاہدہ ہونے لگے تو اب تم اس تمام یونیورس یعنی کائنات کا تصور دماغ میں قائم کرو۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ پہلے فلکیات پر چند ایسی کتابیں پڑھو جو موجودہ تحقیقات کے مطابق لکھی گئی ہیں۔ اس طرح تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ سورج، چاند، ستارے اور سیارے سب بڑے بڑے ہیں جو اس فضا میں تیر رہے ہیں ۔ان کی تعداد، جسامتیں اور درمیانی فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ انسانی شمار و حساب میں بھی نہیں آسکتے۔ اس طرح جب اس فضا کی وسعت و پنہائی کا کچھ تصور دماغ میں قائم ہو جائے تو رات کو جب ستارے جگمگا رہے ہوں کھلے آسمان کے نیچے لیٹ کر غور کیا کرو کہ تمہاری زمین جو ایک کرہ

ہے اس کے چاروں طرف ایسا ہی آسمان جیسا کہ اوپر نظر آتا ہے لاانتہا فاصلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ سوچو کہ آخر یہ سلسلہ ستاروں اور سیاروں یعنی آفرینش کا کہاں تک چلا گیا ہے۔ اگر تفکر بالمشاہدہ کے پہلے طریقے سے تمہاری حس فکر یہ تربیت یافتہ ہو چکی ہے تو تم یونیورس کا زیادہ صحیح تصور قائم کر سکو گے اور دیکھو گے کہ پہلے آسمان سے آخری آسمان تک کس طرح آفرینش کا سلسلہ قائم ہے۔ اس کے بعد یہ سوچنا شروع کرو کہ جہاں آفرینش ختم ہوتی ہے اس سے آگے کیا ہے، تمہاری سمجھ میں آئے گا کہ آگے محض خلا ہے۔ اب سوچو کہ یہ خلا کہاں تک چلا گیا ہے اور اس کی انتہا کے بعد کیا ہے۔ یہاں تمہاری عقل عاجز اور تمہارا دماغ بیکار ہو جائے گا اور کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا۔ اس ناقص تصور یا تفہیم کو خوب پختہ کر کے یہیں چھوڑ دو۔ اب ایک ایٹم کی جسامت کا تصور دماغ میں بٹھانے کی کوشش کرو۔ ایٹم اس قدر چھوٹا ہوتا ہے کہ ایک سوئی کی نوک پر لاتعداد ایٹم اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایٹم پر دو ایک کتابیں پڑھو، جب یہ تصور قائم ہو جائے تو آگے چلو اور اقلیدس کے نقطے کا تصور کرو جس میں نہ لمبائی ہے نہ چوڑائی نہ گہرائی۔ نہ وہ سمتوں اور امتداد میں مقید ہے نہ اس کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ جب یہ تصور بھی قائم ہو جائے تو آیت

سُبۡحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ o (صافات۔180)

''تمہارا رب پاک ہے تمام صفتوں سے جو تم اس کی طرف منسوب کرتے ہو''۔

کے معنی دماغ میں رکھتے ہوئے یہ فکر کرو کہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ اتنا بڑا ہے کہ تمام یونیورس پر محیط ہے اور اس کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ دوسری طرف اقلیدسی نقطے سے بھی زیادہ چھوٹا ہے۔ جب یہ تصورات پختہ ہو جائیں گے تو سخت مشقت اور مدت دراز کی کوشش کے بعد عجیب عجیب راز تم پر کھلیں گے۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمام یونیورس باوجود اس بے انتہا وسعت و پنہائی کے اس ذات بیچون و چگون میں جو نقطے کے تصور سے محسوس یا مدرک ہوئی ہے، اس طرح سمایا ہوا ہے کہ معدوم محض کی سی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ذات بیک وقت اس یونیورس سے بھی بے اندازہ بڑی اور اقلیدسی نقطہ سے بھی کہیں چھوٹی ہے۔ اس نکتہ پر اس سے زیادہ صاف لکھنے کے لئے ہماری زبان میں الفاظ ہیں نہ قلم میں طاقت نہ رخصت۔

اسی تفکر کا ایک ضمنی پہلو یہ بھی ہے کہ جب تم کائنات کی وسعت و پنہائی کا ایک تصور قائم کر لو تو اس کے مقابلے میں اپنی زمین کی جسامت پر غور کرو۔ تمہیں دکھائی دے گا کہ یونیورس کے مقابلہ میں تمہاری زمین اتنی بڑی بھی نہیں جتنا اس کرہ زمین کے مقابلہ میں ایک رائی کا دانہ۔ پھر غور کرو کہ اس کرہ ارض کے مقابلہ میں خود تمہارا جسم کتنا بڑا ہے، تم کو دکھائی دے گا کہ تمہاری جسامت اس نسبت سے اتنی بھی تو نہیں جتنی گندے پانی کی ایک بوند میں خوردبین سے نظر آنے والے لاکھوں جراثیم میں سے ایک جرثومہ کی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تمام کائنات ایک کتاب مرقوم ہے اور تم اس میں ایک نہایت باریک موہوم سی تحریر یا نقش۔ جیسا کہ غالب نے کہا ہے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

پھر لطف یہ ہے کہ جہاں ایک طرف تم اس قدر ضعیف و حقیر ہو وہاں دوسری طرف اس قدر قوی اور عظیم کہ سمندروں میں طوفان لا سکتے ہو، اُٹھتے ہوئے طوفان کو روک سکتے ہو، پہاڑوں کو ان کی بنیادوں سے ہلا سکتے ہو اور ہمت و ارادہ کرو تو کیا نہیں کر سکتے۔ جب تم ایسے ہو تو تمہارا خالق کیسا کچھ نہ ہوگا۔

غالب کا مندرجہ بالا شعر لکھتے ہوئے ایک بات یاد آ گئی، صوفی شعراء اور بعض فلاسفروں نے یہ مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے خصوصاً برکلے کے فلسفہ کا تو ماحصل ہی یہ ہے کہ۔

عالم تمام حلقہ دام خیال ہے

یعنی حقیقتاً صرف ایک ذہن کل موجود ہے اور باقی سب کچھ اسی ذہن کے تصورات ہیں۔ قرآن کی بعض آیات سے بھی ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ ہی سب سے اول و آخر اور ہر چیز کے اندر و باہر اور ہر شے کو محیط ہے تو کائنات کی حیثیت اس کی ذات میں یقیناً ایسی ہی ہو سکتی ہے جیسی ذہن میں تصورات کی۔ یا یوں سمجھو کہ جب نقاش صفحہ قرطاس پر ایک تصویر کھینچنا چاہتا ہے تو جس طرح وہ تصویر کاغذ پر آنے سے پہلے نقاش کے ذہن میں موجود ہوتی ہے اسی طرح یہ کائنات مصور حقیقی کے ذہن میں موجود ہے۔ اس کی مثال کو وحدت الوجود کے ماننے

والے بہت زور وشور سے اپنے عقیدے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ ہم اِس بارے میں ان سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ کیا وہ تصویر جو مصور کے ذہن میں موجود ہے اس کے دماغ کا کوئی حصہ یا اِس کے جسم کا کوئی عضو ہے؟۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اِس تصویر کی کیا حیثیت اور حقیقت ہے' کیا وہ اِس ذہن اور دماغ کی مخلوق نہیں؟

یہ سب کچھ تو ہم جذبہ میں بیان کر گئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ حقیقت کا ایک شمہ بھی نہ تو کسی سے بیان ہوا ہے نہ ہو سکے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے کوئی لفظ صحیح طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا مثلاً بڑا، چھوٹا، ظاہر، چھپا وغیرہ وغیرہ۔ نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس کے ہاتھ، آنکھیں، چہرہ اور زبان یا روح اور نفس ہے، لیکن سمجھنے سمجھانے کیلئے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے اور ہم کیا کہتے ہیں وہ خود اپنے لئے فرماتا ہے کہ میں سمیع ہوں، بصیر ہوں، یعنی سنتا اور دیکھتا ہوں، وہ اپنے ہاتھ بھی بیان کرتا ہے **یَدُ اللہِ فَوقَ اَیدِیھِم**، وہ اپنے چہرے کا بھی ذکر کرتا ہے **فَاَینَمَا تَوَلُّوا فثم وجہُ اللہ** ۔ وہ اپنے لئے نفس کا ہونا بھی فرماتا ہے۔ **وَکَتَبَ عَلٰی نَفسِہِ الرَّحمَۃَ** ، کہتا ہے کہ میری روح بھی ہے **نَفَختُ فِیہِ مِن رُّوحِی**۔ اِس لئے ہم بھی مجبور ہیں کہ اِس کا بیان کرتے ہوئے یہ سب الفاظ اِستعمال کریں ورنہ اس کی ذات تمام الفاظ اور افہام وتفہیم سے کہیں ارفع واعلیٰ اور ماورا ہے۔

**تیسرا طریقہ:۔** تفکر بالشاہدہ کا ایک اور بھی ہے، یعنی چیزوں کی شکل وصورت اور حسن و لطائف پر غور کرنے کی بجائے اِن کی ساخت پر غور کیا جائے اور تجربہ کر کے دیکھا جائے کہ وہ کن عناصر یا اجزا کو کس نسبت سے ملا کر بنائی گئی ہیں اور ہم انہی عناصر یا اجزا کو اِسی یا دیگر نسبتوں سے ملا کر کیا کیا چیزیں بنا سکتے ہیں اور وہ انسان کے فائدے کیلئے کس طرح اِستعمال کی جا سکتی ہیں۔ اِس طریقہ تفکر میں روشنی، حرکت، برق، ایتھر، قدرتی شعاعوں کے خواص اور اِن قوانین کے اکتشافات بھی شامل ہیں جن کے مطابق یہ چیزیں کام کرتی ہیں، اِسی کا نام سائنس ہے اور اِسی سے وہ علوم وجود میں آتے ہیں جو آجکل یورپ وامریکہ کا طرہ امتیاز بنے ہوئے ہیں، یہی وہ علوم ہیں جن کو حاصل کرنے کیلئے آیات اللہ پر غور کرنے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اور ہم نے آج

تک اس پر عمل کرنے کیلئے آیات اللہ پر غور کرنے کا حکم قرآن میں دیا گیا ہے اور ہم نے آج تک اس پر عمل نہیں کیا۔ اگر آپ موجودہ ذلت ورسوائی سے چھٹکارا اور عاقبت کے عذاب سے نجات پانا چاہتے ہیں تو ان علوم کو حاصل کئے بغیر چارہ نہیں۔ اس عملی طریقہ فکر سے یقیناً اللہ تعالیٰ کا دیدار تو نہیں ہوگا لیکن اس کی موجودگی پر یقین محکم ضرور پیدا ہو جائے گا، چنانچہ جب سے یہ انکشافات ہوا ہے کہ ایٹم کے پھٹنے سے انرجی (توانائی) پیدا ہوتی ہے، سائنس کے اس مسلمہ کا خاتمہ ہو گیا ہے کہ مادہ فنا نہیں ہوتا۔ اب تمام سائنس دان اس بات کے قائل ہیں کہ اس مادی دنیا سے آگے ایک اور نیا دنیا ہے جس کو میٹا فزیکل ورلڈ (عالم ماورائے مادہ) کہتے ہیں۔ یہ تو ابتدائے عشق ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟ ہمارا تو ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ سائنس کے ذریعہ سے بھی اپنی ہستی کو منوا کر رہے گا۔ اس نے مخلوق اور خصوصاً انسان کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ پہچانا جائے اور سب اس کی پرستش کریں۔ یقین ہے کہ ایک دن یورپ کا بچہ بچہ حتیٰ کہ ملحد اور منکر خدا کمیونسٹ بھی ایمان لے آئیں گے۔ وہی دن ہوگا جب قرآن اور اسلام کی صداقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو جائے گی۔ یہ صرف گمان اور قیاس نہیں ہے ایسا یقیناً ہو کر رہے گا چونکہ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمائی ہے کہتے ہیں:۔

**سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ۝** (حم سجدہ۔ آیت 53، 54)

یعنی ان لوگوں کو (منکرین کو) ہم یہ نشانیاں تمام اطراف عالم میں دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفوس میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن برحق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے خبردار کہ انہیں اپنے رب کی ملاقات میں شک ہے، یاد رکھو کہ وہ ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اس آیت میں جو فرمایا ہے کہ ہم تمام اطراف عالم میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے وہ تو نظر آ

ہی رہی ہیں کہ قدرت کے سینکڑوں راز معلوم ہو چکے ہیں، جس کے نتیجہ میں اب چاند اور ستاروں کا سفر درپیش ہے اور ایک عالم ماورائے مادہ کا عقیدہ قائم ہو چکا ہے، لیکن یہ جو فرمایا ہے کہ ہم ان کے نفوس میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے، یہ بہت قابل غور بات ہے۔ ایکس رے کے ذریعہ بدن کے اندر اعضائے رئیسہ کے حالات تو بہت کچھ اب دکھائی دینے لگے ہیں، کہیں یہ تو مراد نہیں کہ آئندہ آلات کے ذریعے انسانی عقل، نفس اور روح وغیرہ کی طاقت اور لطافت و کثافت بھی معلوم ہو جایا کرے گی، دل کے خیالات بھی ریکارڈ ہونے لگیں گے وغیرہ وغیرہ۔ تعجب تو کچھ نہیں اگر ایسا ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ جو کہا ہے کہ انہیں ہماری لقاء پر شک ہے مگر ہم ہر چیز پر محیط ہیں۔ اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ آئندہ کچھ ایسے آلات نکل آئیں کہ خدا کی موجودگی اس قدر ثابت و ظاہر ہو جائے جیسے آنکھوں سے دیکھی ہوتی ہے۔

اب ہم تفکر بالمراقبہ کا بیان کرتے ہیں

## تفکر بالمراقبہ

مراقبہ کے معنی حفاظت و نگہبانی کے ہیں۔ لیکن حکمت و عرفان میں اصطلاحاً دماغ میں کسی خیال یا تصور کے اس طرح قائم کرنے کو کہتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی خیال یا تصور باقی نہ رہے۔ تفکر بالمشاہدہ میں ہم اشیاء کی شکل وصورت پر غور کرتے ہیں مگر تفکر بالمراقبہ میں اشیاء یا اسماء کی حقیقت اور معنویت پر غور وفکر کیا جاتا ہے، مثلاً تفکر بالشاہدہ میں ہم برف کو دیکھ کر اس کی چمک دمک اور سفید رنگ کی شوخی اور خوبصورتی کے تصور میں محو ہو جائیں گے، لیکن تفکر بالمراقبہ میں برف کی کسی صفت مثلاً سردی کا تصور اس انہماک سے کریں گے کہ آخرکار ہمیں سردی محسوس ہونے لگے گی خواہ اس وقت گرمی ہی کیوں نہ پڑ رہی ہو۔

یہ ضروری ہے کہ مراقبہ مرشد کی ہدایت کے بغیر نہ کیا جائے۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ کس کے لئے کون سے اسم یا آیت کا مراقبہ زیادہ مناسب ہوگا۔ بہت سے طالب نفی ماسویٰ ہی میں وہ کمال حاصل کر لیتے ہیں کہ انہیں مراقبہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ مراقبہ کی غرض وغایت یہ ہے کہ کشف حاصل ہو جائے، روحیں نظر آنے لگیں اور عالم مثال کا مشاہدہ میسر آجائے اور یہ سب باتیں قطع

ماسوئی میں ہی بعض سالکوں کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ مبادیات مراقبہ یہ ہیں کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی اسماء صفات میں سے کسی اسم کا مراقبہ کیا جائے، جب اس میں دستگاہ ہو جائے تو قرآن کی کسی آیت کا، پھر اس ذات کا، پھر فنا وغیرہ کا وغیرہ وغیرہ۔

مراقبہ کیلئے ضروری نہیں کہ اسی طرح بیٹھو جس طرح نماز میں بیٹھتے ہو بلکہ اس طرح بیٹھنا چاہئے جس میں تکلف اور تکلیف نہ ہو اور ایسے وقت اور ایسی جگہ بیٹھو کہ شور وشغب نہ ہو اور دھیان نہ بٹے۔ طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ کیلئے وہ لفظ منتخب کرو جو تمہارے دل کو سب سے پیارا لگتا ہے مثلاً یا رحیم۔ اب پاس انفاس بند کر دو اور ''یارحیم'' کا ورد شروع کرو لیکن لفظ رحیم کا خیال رکھنے کی بجائے اس کے معنی کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کی عام رحمت کو ہر چیز میں خیال کی مدد سے دیکھنے کی کوشش کرو۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ کچھ دن میں رحمت کا عام مفہوم دماغ اور قلب میں پیوست ہو جائے اور اسم غائب ہو کر مسمی باقی رہ جائے، پھر قرآن کی کوئی آیت چنو مثلاً

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ٥ (الحدید۔4)

(یعنی تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)

اب اس کا ورد معنوں کا خیال رکھتے ہوئے اس قدر کثرت سے کرو اور اس کے معنوں میں اس قدر مستغرق ہو جاؤ کہ آیت کے الفاظ کی طرف خیال ہی نہ جائے لیکن معنی دل کے آنکھوں کے سامنے روشن ہو جائیں۔

فناء کے مراقبہ کا طریقہ یہ ہے کہ خلاء محض کا تصور دماغ میں قائم کرو اور اس قدر کوشش کرو کہ خلاء کے بیچ میں جو آفرینش ہے اس کا خیال بھی باقی نہ رہے حتیٰ کہ خود اپنا وجود بھی نفی ہو جائے۔ اب جو تصور حاصل ہوا ہے وہ خلا یا عدم کا ہے۔ اب اس تصور کو اتنا بڑھاؤ کہ خود تصور کا احساس بھی جاتا رہے، فنا حاصل ہو جائے گی۔

ایک مراقبہ کشف قبور کا بھی ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی قبرستان میں رات کی تنہائی میں بیٹھ کر مردے کے جسم کا تصور کرو اور

سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ

کی ان گنت تکرار کرو اور لفظ روح کو خوب دل و دماغ میں جماؤ۔ ارتکاز خیال کامل ہونے پر اس مردے کا جسم نظر آنے لگے گا اور رفتہ رفتہ تمام قبرستان کے مردے بھی ممکن ہے نظر آ جائیں۔

روحوں کو بلانے اور دعوت دینے اور مستقبل کی باتیں معلوم کرنے کیلئے بھی مراقبے کئے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ باتیں ہماری رائے اور تجربہ میں سالکوں کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچایا کرتی ہیں، اس کے علاوہ تصوف کی کتابوں میں موجود ہیں، اس لئے ان کا ذکر نہیں کیا جاتا۔

اب ہم خدمت خلق کا ذکر کرتے ہیں جو حاصل ہے تمام جدوجہد وریاضت اور سلوک کا۔ ظاہر ہے کہ تم کتنے ہی بڑے ولی اللہ بن جاؤ اگر تم سے دنیا کو فیض نہ ہو تو تمہاری ولایت صرف تمہارے ذاتی فائدے کیلئے ہے اور تم کسی حالت میں نائب رسول کہلانے کے مستحق نہیں۔ کیونکہ نبی مبعوث ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ خلق خدا کو زندگی بسر کرنے کے ایسے طریقے بتائیں جن پر عمل کرنے سے دنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامرانی نصیب ہوتی ہے۔

## 10۔ خدمت خلق

اگر طالب صادق اور محنتی اور مرشد کامل ہو تو اوپر بتایا ہوا سارا نصاب زیادہ سے زیادہ تین سال میں مکمل ہو جاتا ہے ورنہ تیس چالیس برس میں بھی نہیں ہو سکتا۔ معرفت الٰہی حاصل ہونے کے بعد دنیا اور کائنات کی تمام اشیاء اور خصوصاً انسانی فطرت کی معرفت بھی حاصل ہو جاتی ہے اور عقل سلیم بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا شخص اخلاق میں کامل ہوتا ہے، وہ انفراداً اور اجتماعاً انسانی فطرت کو اوروں سے کہیں زیادہ سمجھتا ہے، اس لئے زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو آسانی سے حل کرنے اور عوام کے اخلاق کی اصلاح کرنے کا اہل اس سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ قرن اول میں ملت کے رہنما، قائد، افسر اور جنرل ایسے ہی لوگ تھے۔ اسی سے اس زمانے میں اس قدر ترقی ہوئی۔ آج کل کے لیڈر اور افسر جیسے ہیں آپ کے سامنے ہیں۔

خدمت خلق میں ایک معمولی سی بات سے لیکر انتہائی قربانی اور ایثار تک سب کچھ شامل ہے مثلاً کسی کو راستہ بتانا، راستہ کو کانٹوں اور پتھروں سے صاف کر دینا، کسی کا بوجھ اُٹھا دینا، بھوکے اور ننگے کو روٹی کپڑا دینا، بیماروں کی تیمارداری اور علاج کرنا، بے علموں کو علم حاصل کرنے میں مدد دینا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی کو اس قابل بنا دینا کہ وہ معیشتی لحاظ سے اپنی زندگی آرام سے گزار سکے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا راستہ بتانا اور قرآن کریم کی تعلیم میں اس طرح کامل کر دینا کہ اس کی زندگی دنیا اور عقبیٰ دونوں میں کامیاب رہے۔ نبی یہی سکھاتے تھے اسی لئے ان کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔

خدمت خلق کی دو صورتیں ہیں، ایک انفرادی دوسرے اجتماعی۔ زیادہ افضل اور اشرف کام وہ ہیں جن سے انسانوں کی بڑی سے بڑی جماعتوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے مثلاً بیماروں کے مفت علاج کی غرض سے اعلیٰ درجے کے ہسپتال کھولنا، عوام کو معمولی اور اعلیٰ تعلیم کیلئے کتب خانے، سکول اور کالج قائم کرنا، سائنس کی ترویج کیلئے معمل یعنی لیبوریٹریاں بنانا، بینک اور ایسے صنعتی ادارے اور کارخانے قائم کرنا جن کی وجہ سے قوم میں دولت کی ریل پیل ہو جائے۔ یہ سارے کام دراصل قومی امراء کے فرائض میں شامل ہیں۔ متمدن ممالک اور زندہ قوموں میں یہ سب کام قوم خود کرتی ہے۔ حکومت کے ذمہ تو صرف ایڈمنسٹریشن، انصاف اور دفاع کا کام ہوتا ہے، مگر اسلامی ممالک کی قومیں روٹی کے ٹکڑے تک کے لئے گورنمنٹ کے آگے ہاتھ پھیلانے کے عادی ہیں۔ جن قوموں کے امراء اپنے ذمہ یہ کام لے لیتے ہیں وہ قومیں ترقی کرتی چلی جاتی ہیں جیسا کہ یورپ، امریکہ، جاپان اور آخر میں ہندوستان کے ہندو سیٹھوں نے بھی کر کے دکھایا۔ مسلمانوں میں بھی ہزاروں لکھ پتی، سینکڑوں کروڑ پتی اور بیسیوں عرب پتی ہیں، لیکن یہ لوگ سارا روپیہ اپنی ذاتی آسائشوں اور عیاشیوں پر ہی خرچ کرتے ہیں، قومی خدمت کا خیال بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔ قرآن دولت کمانے سے ہرگز منع نہیں کرتا لیکن دولت کو جمع کر کے رکھنے یا صرف ذاتی عیش و عشرت پر صرف کرنے کو ضرور منع کرتا ہے، چنانچہ سورہ توبہ آیت 34 میں ارشاد ہوتا ہے کہ "روپیہ اور دولت زمین میں گاڑھ رکھنے والوں کو عذاب ہے جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے" یہ راہ خدا کیا چیز ہے؟ قوم کی فلاح و بہبودی۔

قرآن میں فرماتے ہیں

**وَاَقْرِضُو اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا** (المزمل۔20) "اور اللہ کو اچھا قرض دیتے رہو"

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے لئے روپیہ وغیرہ قرض لینے کی ضرورت نہیں وہ کسی حیثیت سے بھی کسی کا محتاج نہیں ہے۔ لہٰذا اس قرض سے اس کے سوا اور کچھ مراد نہیں کہ قوم کی فلاح و بہبود اور دفاع و ترقی پر روپیہ خرچ کرو، کیونکہ ملت کی بقاء ہی سے اسلام کی بقا ہے، پھر ہمارے امراء کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ ان کی ہستی بھی قوم کی ہستی پر منحصر ہے، قوم ترقی کرے گی، تو وہ بھی ترقی کریں گے، قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ بھی تباہ ہو جائیں گے، اگر کوئی دشمن ملک پر قبضہ کر لے تو سب سے پہلے ان کو لوٹے گا، اس لئے قوم کو مضبوط اور

طاقت وررکھنے میں انہی کا فائدہ ہے۔

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

جولوگ اوپر بتائے گئے طریقوں کے مطابق ایمان محکم حاصل کرتے اور کردار انسانی کی تکمیل کرتے ہیں ان کو روپیہ پیسہ ہرگز اتنا عزیز نہیں ہوتا کہ قوم کی ضرورت ہو اور وہ اپنے خزانوں کو سانپ کی طرح کلیجے سے لگائے بیٹھے رہیں۔ایسے لوگ روپیہ ہی نہیں اپنی املاک، اپنے بیوی بچے اور جان سب کچھ بوقت ضرورت اللہ یعنی قوم پر قربان کردیتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ کے صحابیؓ ایسے ہی تھے۔سلوک کے طریقوں کا بیان ختم ہوا، اب ہم بتائیں گے کہ دوران سلوک میں کیا کیا کچھ نظر آتا ہے، کیا کوائف وارد ہوتے ہیں، کون سی منازل اور طبقات سے گزرنا ہوتا ہے اور سلوک کا ما حاصل کیا ہے؟

ان باتوں کو آسانی سے سمجھانے کے لئے ہم نے چار دور قائم کئے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ ہر سالک کو ہر چیز ضرور ہی نظر آئے یا اسی ترتیب سے نظر آئے یا حاصل ہو جو ہم نے قائم کی ہے ۔ظاہری صورت وشکل اور عادات واطوار کی طرح سالکوں کی روحانی استعداد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے ان کے حصول درجات کی ترتیب اور کوائف بھی ایک دوسرے سے بہت کچھ مختلف ہوتے ہیں۔

حصول درجات کے جو چار دور ہم نے مقرر کئے ہیں، ان میں جا بجا روحانی سفر اور ان مقامات کا ذکر آتا ہے جہاں سے روح گزرتی ہے۔اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ادوار چہار کا ذکر کرنے سے پہلے اس عالم روحانی اور اس کے طبقات وغیرہ کا کچھ ذکر کردیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی فضل وکرم سے جو قلیل علم روح کا ہم کو عطا فرمایا ہے اس کی بناء پر کچھ حال روح کا بھی لکھ دیا جائے تا کہ قارئین کی سمجھ میں ہمارا مفہوم ومطلب اچھی طرح آجائے۔(جاری ہے)

# صبر کا موقع

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

یحییٰ بن وثاب ایک بوڑھے صحابی کے واسطے سے (جن کا نام نہیں لیا) حضور اکرم ﷺ کا ایک ارشاد یوں نقل کرتے ہیں۔

**المسلم الذی یخالط الناس و یصبر علی اذا ھم خیر من الذی لا یخالط الناس ولا یصبر علی اذا ھم۔**

وہ مسلمان جو لوگوں سے گھل مل کر رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرے اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے کنارہ کش رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر نہ کرے۔

انسان کی زندگی بہت سے متضاد عناصر کا مجموعہ ہے۔ جس طرح اس میں فنا بھی ہے اور بقا بھی، تغیر بھی ہے اور ثبات بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اسی طرح اس کی زندگی میں خلوت بھی ہے اور جلوت بھی۔ انفرادیت بھی اور اجتماعیت بھی۔ خلوت یا انفرادیت کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن یہ مقصود نہیں۔ مقصود جلوت اور اجتماعیت کی زندگی ہے۔ انفرادیت اس لئے ہے کہ اجتماعیت کے کام آئے اور جس کی انفرادیت جتنی زیادہ اجتماعیت کے کام آئے گی اسی قدر اجتماعیت بھی اس کی انفرادیت کو قوی و محکم کرتی چلی جائے گی۔ خلوت بھی دراصل ایک تیاری ہے جلوت کی زندگی کیلئے۔ اگر ساری عمر خلوت نشینی ہی کی زندگی گزاری جائے تو یہ نہ فقط یہ کہ خلافِ سنتِ نبویؐ ہے۔ بلکہ یہ کچھ فعل عبث سا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی برتن کو قلعی پر قلعی کیے جانا، اس کی صفائی پر صفائی کیے جانا مگر اس سے کوئی مصرف نہ لینا۔

حضورؐ کی زندگی میں خلوت کا عنصر یقیناً پایا جاتا ہے۔ غارِ حرا کی زندگی کی خلوتی زندگی تھی لیکن کس لئے؟ اس لیے کہ:۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

حضور ﷺ کی زندگی میں اعتکاف بھی ہے لیکن اس کی غرض کیا تھی؟ یہ کہ اس تزکیہ نفس کو ذات اقدس تک محدود نہ رکھیں بلکہ نیز کبھی ہم دوسروں کو بھی جلوت میں آ کر مزکی فرمائیں۔

ہوتا یہ ہے کہ عام انسانی زندگی میں نقشہ کار خلوت میں بنتا ہے۔ اسکیم تنہائی میں تیار ہوتی ہے اور اس کا عملی ظہور اجتماعی اور جلوتی زندگی میں ہوتا ہے۔ خلوت کی زندگی میں بے تعلق رہ کر متقی و زاہد بن جانا دشوار نہیں۔ صاحب خلوت جب جلوت میں آئے گا تو اس کی وہ اقدار جو اس نے بڑی ریاضتوں کے بعد خلوت میں حاصل کی تھیں قدم قدم پر مجروح ہونے لگیں گی۔ اس وقت اپنا دامن بچا کر نکل جانا کمال ہے۔ انسانی اقدار کی پرکھ خلوتی زندگی میں نہیں ہوتی۔ جلوت کی زندگی میں ہوتی ہے۔ جہاں اقدار کا ٹکراؤ اس کے مفادات سے ہوتا ہے۔

ایسے ہی ٹکراؤ کے موقعوں پر مردانگی و صداقت کا امتحان ہوتا ہے جس میں اہل حق کامیاب ہوتے ہیں۔ لیکن بیشتر یہ ہوتا ہے کہ نصب العین اقدار کے دامن پر اجتماعی ماحول اپنی گندگی کے کچھ نہ کچھ چھینٹے ڈال ہی دیتا ہے۔ پھر جو جتنا زیادہ حساس ہوتا ہے اور جس کا احساس جتنی زیادہ نزاکت کا حامل ہوتا ہے اسی قدر وہ اپنے آئینہ روح پر اس کا زنگ محسوس کرنے لگتا ہے۔ روحانی رنگ پر مادیت کا زنگ آتے ہی وہ کچھ دیر کیلئے پھر خلوتی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اس زنگ کے صاف کرتے ہی پھر وہ خلوت میں اپنی حاصل کردہ اقدار کو جلوہ بار کرنے کیلئے خم ٹھونک کر آ جاتا ہے۔ اگر آپ غور فرمائیں گے تو نوافل کا یہی فلسفہ نظر آئے گا۔

مومن کی ساری زندگی ہی صلوٰۃ ہوتی ہے۔ جب وہ "دیانت" کے تقاضوں کے ساتھ مسجد سے باہر کوئی "دنیوی" کاروبار کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی صلوٰۃ ہی ادا کر رہا ہوتا ہے اور اس کی یہ صلوٰۃ وہی درجہ رکھتی ہے جو اذان کے سننے کے بعد مسجد میں نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے۔ پھر وہ جب تنہائی میں انفرادی نوافل ادا کرتا ہے تو اس کی اصلی غرض یہی ہوتی ہے کہ "بازار" کی اجتماعی صلوٰۃ میں اگر کوئی زنگ پیدا ہو گیا ہو یا مسجد کی جماعتی صلوٰۃ میں کوئی کسر رہ گئی ہو تو تنہائی کی ریاضت اس زنگ کو صاف کر دے مگر کیوں؟ اس لیے نہیں کہ وہ مزکی ہو کر بیٹھا رہے بلکہ اس لئے کہ اجتماعی صلوٰۃ زندگی میں اور دھڑلے سے آ سکے۔

غرض خلوت و جلوت میں ایک حسین امتزاج بڑے توازن کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ صرف جلوت بھی غلط ہے اور فقط خلوت بھی غیر صحیح ہے۔ نیز ذریعے کو مقصود اور مقصود کو مفقود کر دینا

بھی درست نہیں۔ پھر خلوت سے جلوت سے چمٹے رہنا بھی روا نہیں ہے۔ مزید برآں جلوت کو خلوت پر یا اجتماعیت کو انفرادیت پر قربان کر دینا بھی غلط ہے۔

یہی وہ اعلیٰ اقدار ہے جو مذکورہ بالا ارشادِ نبویؐ میں بتائی گئی ہے۔ ایک وہ ہے جو اپنی اخلاقی قدروں کو مجروح ہونے سے بچانے کیلئے گوشہ نشین ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ جو اعلیٰ تر اخلاقی اقدار حاصل کرنے کیلئے جلوتی زندگی میں آتا ہے۔ دونوں کے عزائم اور ہمتوں میں بڑا فرق ہے۔ اول الذکر کا جذبہ صرف یہ ہوتا ہے کہ میں دوسروں کی اذیتوں سے محفوظ اور سلامت رہوں۔ اِس لئے وہ سب سے کٹ جاتا ہے۔ ذرا سوچیے محض اپنے آپ کو بچانے کیلئے یہ شاندار پسپائی کیا اِس کی خودغرضی اور بزدلی دونوں ہی کی مظہر نہیں؟ پھر بڑی چیز تو یہ ہے کہ ایسا شخص ان تمام مواقع صبر سے محروم ہو جاتا ہے جو لاانتہا اجر کے ضامن ہوتے ہیں۔ بخلاف اِس کے ثانی الذکر وہ بلند حوصلہ، جواں مرد اور ثابت قدم انسان ہوتا ہے جو جلوت کی زندگی اِس لئے اختیار کرتا ہے کہ اجتماعی خیر خواہی کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دے اور اِس راہ میں اسے جو مشکلات پیش آئیں انھیں برداشت کرے۔ گالیوں کے عوض دُعائیں دے، پتھروں کے عوض پھول برسائے، ایذاؤں کے وقت صبر جیسی اعلیٰ اخلاقی قدروں کو اپنائے۔ اور اِس طرح دنیا کے سامنے اُسوہ و نمونہ بن کر آئے اور اپنا کام کیے چلا جائے۔ ذرا سوچیے یہ کتنے دل گردے کا کام ہے۔ **وما یلقھا الا الذین صبروا وما یلقھا الا ذوحظ عظیم**۔ (یہ توفیق صرف صبر کرنے والوں اور بڑے نصیبے والوں کے حصے میں آتی ہے)

یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے اُسے اول الذکر سے بہتر بتایا ہے۔

اِس میں شک نہیں کہ بعض دورِ فتن ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن میں انزوا و انقطاع بھی ضروری ہو۔ لیکن یہ بھی محض عارضی اور عبوری وقت کیلئے ہوتا ہے نہ کہ زندگی کے مستقل مشغلے کے طور پر۔ ایسے نازک اور عبوری ادوار کیلئے بھی حضورِ انورؐ نے ہدایات دی ہیں کہ چلنے والا دوڑنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔ ایسے ہی مواقع کیلئے حضورﷺ نے فرمایا ہے کہ گھر کا ٹاٹ (**احلاس بیوت**) بن جاؤ۔ لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حکم خود ہی انفرادی ہے، ساری اُمت کیلئے نہیں۔ یہ صرف ان لوگوں کیلئے ہے جن کو یہ یقین ہو کہ جلوت میں آنا کچھ بھی مفید نہ ہوگا یا الٹا اثر ہوگا یا جلوت میں آ کر اجتماعی اصلاح کرنے کی بجائے خود ان کا انفرادی تزکیہ

بھی برباد ہو جائے گا۔ اُمت میں بہرحال ایسے کمزور افراد بھی ہوتے ہیں اور ایسے نازک دور بھی آ سکتے ہیں جہاں خلوت نشینی جلوت آرائی سے زیادہ ضروری ہو۔ لیکن یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ ساری باتیں انفرادی یا عبوری ہیں۔ مستقل لائحہ زندگی یہی ہے کہ خلوت کے تزکیے کو جلوت میں آکر استعمال کیا جائے اور اصل مقصود جلوت و اجتماع ہی کو تصور کیا جائے۔

یہاں ایک بڑی ضروری حقیقت یہ بھی سن لینی چاہیے کہ صبر کے معنی مار کھا کر چپ ہو جانے یا آنسو بہانے کے نہیں۔ اِس میں تو بزدلی کا بھی پہلو پایا جاتا ہے۔ بلاشبہ زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جہاں خاموشی ہی صبر کا تقاضا ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی ایک معمولی سا صبر ہے۔ اصل صبر یہ ہے کہ انسان سچے نصب العین پر جما رہے، ڈٹا رہے، اڑا رہے، ثابت قدمی و استقامت اختیار کیے رہے اور دنیا کا کوئی خوف یا طمع اسے اپنے مقصد سے پیچھے نہ ہٹا سکے۔ اس کی جس متاعِ عزیز اور جس مفاد کا ٹکراؤ اِس کے اس اعلیٰ مقصد سے ہو اِسے چھوڑ دے اور اُسے قربان کر دے مگر اپنے مقصد سے دست بردار نہ ہو۔ یہ ہے دراصل قرآنی صبر کا مفہوم۔

پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ دشمن سے مار کھا کر خاموش ہو جانا بھی صبر نہیں۔ صبر نام ہے اس کا ڈٹ کر پامردی و ثبات قدم کے ساتھ مقابلہ کرنے کا۔ قرآن پاک میں ہے!

**ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین۔**

تم میں بیس صابر ہوں تو دو سو کا فر دشمنوں پر غالب آجائیں گے۔

فرمایے یہاں مار کھا کر مظلوم کی سی صورت بنا لینے اور خاموشی سے صبر کرنے والوں کو صابر کہا گیا ہے یا جم کر لڑنے والوں کو؟ پس یہ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ استقامت اور مقابلے کے موقعے پر پورا مقابلہ بھی عین صبر ہے۔ صبر و استقامت کا تو امتحان ہی اِس وقت ہوتا ہے جب مقابلہ اعدا ہو۔ جب سر دھڑ کی بازی لگانی پڑے۔ اور جب جان و مال جیسی متاعِ عزیز کو قربان کرنا پڑے اور یہ ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ یہ صبر بھی سراسر جلوت ہی سے تعلق رکھتا ہے، خلوت سے نہیں۔ اِجتماع سے متعلق ہے انفراد سے نہیں۔ پس حضور ﷺ کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ اذیتوں سے بچنے کیلئے گوشہ نشینی کرنے والے سے وہ بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں میں گھل مل کر رہے اور سوسائٹی کے فرائض سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے ہر اذیت پر صبر کے مختلف تقاضوں کو پورا کرے۔

# زندگی کا حقیقی نصب العین

(عبدالرشید ساحی)

انسانی زندگی کو اپنے استحکام اور مضبوطی کیلئے کسی ایسے مرکز کی ضرورت ہے جو ایک طرف اتنا جامع اور مضبوط ہو کہ زندگی کی ساری جہتوں پر بھرپور انداز میں اثر انداز ہو سکتا ہو اور ان میں توازن اور ہم آہنگی کی ضمانت فراہم کرتا ہو اس کے ساتھ ساتھ وہ اتنا ٹھوس، پیدار اور ناقابل تغیر ہو کہ زندگی کے نشیب و فراز میں انسان کو قائم اور برقرار رکھ سکتا ہو اور زندگی کے ہر مرحلہ میں انسان کو ایک مضبوط سہارا فراہم کر سکتا ہو ایسا مرکز اس پوری کائنات میں صرف اور صرف ایک ہے اور اس کا نام ہے "اللہ" حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور اکرم ﷺ تک جتنے بھی انبیاء اکرام آئے ہیں ان پر جو بھی کتابیں اور کلام نازل ہوا نیز ان انبیاء اکرام کی اپنی تعلیم کا مرکزی نکتہ یہی رہا ہے کہ اللہ رب العزت کو زندگی کا مرکز اور نصب العین بنا لیا جائے یہی وہ مرکز ہے جس کو پاکر سوہ دنیاں کے اندیشوں سے بہت بلند ہو جاتی ہے اور حوادثات زمانہ کے تھپیڑوں میں پہاڑوں اور چٹانوں کی مانند ثابت قدمی اور استقامت کا پیکر بن جاتی ہے وہ کلمہ طیبہ جسے پڑھ کر ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اس کا پہلا حصہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے "کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے" لیکن مر... نا جعفر حسین پھلواروی کے بقول لفظ "الٰہ" کا ترجمہ "معبود" سے کرنا اس لفظ کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ انہوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس لفظ کا حقیقی ترجمہ "نصب العین" بنتا ہے۔ چنانچہ لا اِلٰہ الا اللّٰہ کا ترجمہ ہوگا "نہیں ہے کوئی نصب العین مگر اللہ" یہی وہ حق ہے جو زندگی کی تمام جہتوں کا احاطہ کرتا ہے ویسے بھی اہل تصوف کے بقول عوام کے نزدیک لا اِلٰہ الا اللّٰہ کا ترجمہ ہے "نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ" لیکن خواص کے نزدیک ترجمہ یہ ہے "نہیں ہے کوئی مطلوب سوائے اللہ کے" اور اخص الخواص کے نزدیک ترجمہ یہ ہے "نہیں ہے کوئی موجود سوائے اللہ کے" قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا (البقرۃ:165)

ترجمہ "اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے اللہ سے محبت جیسی محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ ہر ایک سے بڑھ کر اللہ سے محبت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں" ایک اور جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (التوبہ:24)

ترجمہ "اے نبی کریم ﷺ آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بیٹے بیٹیاں اور تمہاری بیویاں اور دیگر رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے محنت سے کمائے اور تجارت وکاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتے"۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔ (آل عمران:14)

ترجمہ "لوگوں کیلئے ان خواہشات کی محبت خوب آراستہ کر دی گئی ہے۔ جن میں عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی شامل ہیں یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے"۔

اللہ کی ذات ہی اس قابل ہے کہ اسے اپنی تمام محبتوں، رغبتوں، چاہتوں اور ارمانوں کا محور بنایا جائے قرآن مجید نے اُمت مسلمہ کو ملت ابراہیمی قرار دیتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کو بھی ہمارے لئے ایک نمونہ قرار دیا ہے دوسری طرف قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کے عقیدہ کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ترجمہ "بے شک میں نے اپنا رُخ ہر سمت سے ہٹا کر یکسوئی سے اس ذات کی طرف پھیر لیا ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں"۔ (سورۃ انعام:79)

ہر غیر کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر اللہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنا لینا اسی کی تعلیم حضور اکرم کو دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ترجمہ: فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

زندگی کے اسی نمونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا" جس نے اللہ کی خاطر ہی کسی سے محبت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی سے نفرت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو دیا اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو نہ دیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا"۔

جب کسی انسان کی کیفیت اس مقام پر پہنچ جائے تو وہ ایمان کی حقیقی لذتوں اور کیف وسرور سے آشنا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

دانائے راز مولانا رومؒ نے اس نقطہ کو اپنے شعر میں یوں بیان فرمایا ہے۔

چیست دنیا ؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

''دنیا کیا ہے؟ ہر وہ چیز جو بندے کو خدا سے غافل کر دے۔ ذریعہ معاش، سونا چاندی اور بیوی بچے اِن میں سے کوئی چیز بھی دنیا نہیں ہے''۔

اِسی نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے۔ (سورۃ التغابن:14)

ترجمہ: ''اے ایمان والو بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس اِن سے ہوشیار رہو''۔

عارف رومیؒ کے مرید ہندی علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا اِلہ الا اللہ

کائنات کے اندر کوئی حقیقت ہے اور دل لگانے کے قابل ہے تو وہ فقط اللہ کی ذات ہے اِس کی تائید بھی قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ (سورۃ الرحمٰن 27-26)

ترجمہ:۔''ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو صاحب عظمت وجلال اور صاحب انعام واکرام ہے۔

میاں محمدؒ صاحب آف کھڑی شریف فرماتے ہیں۔

ایہ کی عشق لگا تدھ الٹا چلیاں چھوڑ وطن نوں
ایویں مورت دے جلکاروں لایا ای روگ بدن نوں
ناں صورت نے جگ پر رہنا ناں اِس صورت والے
کہیہ یارانہ اِس دا جھیڑا سدا پریت نہ پالے

اللہ رب العزت کی ذات لامحدود ہے اور ہر قسم کی حد بندیوں اور حدود قیود سے ماوراء ہے اِس نے انسان کے اندر اپنی روح پھونک کر اور اِس کے سر پر اپنی خلافت و نیابت کا تاج سجا کر اِس کے اندر بھی لامحدود امکانات کی ایک دنیا رکھ دی ہے مگر انسان کو مقام خلافت پانے کے لئے اپنے بنانے والے کے ساتھ مضبوط رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیتا ہے تو پھر اِس کی صلاحیتوں اور طاقتوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ حدیث قدسی کے مطابق

اللہ تعالیٰ اس بندے کی سماعت، بصارت اور ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں یعنی اس کے اعضاء میں خدائی طاقتیں جلوہ گر ہو جاتی ہیں جن سے وہ زمان و مکاں کی حدود سے آزاد ہو جاتا ہے اس مقام کو علامہ اقبالؒ شعر میں پیش کرتے ہیں۔

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اسی طرح ایک اور مقام پر انسانی عظمتوں اور اُفقوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

در دشت جنوں من جبریل زبوں میدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

ترجمہ: ''میرے عشق و جنوں کے جنگل میں جبرئیلؑ جیسے عظیم الشان فرشتے کی حیثیت بھی ایک شکار کی ہے اے ہمت مردانہ ایک قدم اور بڑھا تو خدا بھی کمند میں آ سکتا ہے''۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ من كان لله كان الله له۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے تو اللہ اِس کا ہو جاتا ہے۔

جب زندگی کو مرکز و محور اللہ کو بنا لیا جاتا ہے تو پھر انسانی زندگی کے عروج اور ارتقاء کے لامحدود امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں جو ذکر پاس انفاس بتایا اور کرایا جاتا ہے یعنی جو سانس اوپر جائے اللہ کہتا ہوا جائے اور جو نیچے آئے وہ بھی اللہ کہتا ہوا آئے یہی اِسم اعظم ہے جب اللہ کا لفظ سانسوں کی ڈوری کے ساتھ پیوستہ ہو جاتا ہے تو جیسے اللہ بے نیاز ہے انسان بھی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ خدائی قوتیں انسان کے ہم رکاب ہو جاتی ہیں۔

سلطان العارفینؒ فرماتے ہیں۔

الف اللہ چنبے دی بوٹی میرے من وچ مرشد لائی ہو

میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

اِس دا نام چتارن والا کسے میدان نئیں ہردا

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ اللہ کے قرب کی بہترین تربیت گاہ ہے تشریف لا کر پیاسے دلوں کو اللہ کی محبت سے سیراب کریں۔

# بابا جان کا جڑواں شہروں کا دورہ

(پیر خان توحیدی)

بابا جی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے دوروں کا آغاز اکثر جڑواں شہر راولپنڈی، اسلام آباد ہی سے ہوا کرتا ہے۔ امسال میں بھی بابا جان نے یہ اعزاز اسی جڑواں شہر کو بخشا۔ آپ نے ایک ہفتہ قبل ہی بتا دیا تھا کہ آپ 7۔ اکتوبر 2011 بروز جمعہ راولپنڈی، اسلام آباد کے دورہ پر آئیں گے اور آپ کے ساتھ جناب طارق محمود صاحب ہونگے۔ ہر دو حلقہ جات راولپنڈی و اسلام آباد کے بھائیوں کو بابا جان کی آمد کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ 6۔ اکتوبر کو بابا جان سے رابطہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ کل حسب وعدہ 9 بجے صبح گوجرانوالہ سے بذریعہ پبلک ٹرانسپورٹ پروفیسر طارق محمود صاحب کے ساتھ روانہ ہو جائیں گے اور تقریباً بارہ ساڑھے بارہ بجے راولپنڈی سواں اڈہ پر پہنچ جائیں گے۔ راولپنڈی سے محمد عتیق عباسی صاحب اور اسلام آباد سے خالد مسعود صاحب بابا جی کو لانے کیلئے سواں اڈہ پر پہنچ گئے۔ بابا جی کی آمد پر دونوں بھائیوں نے بابا جی کا استقبال کیا۔ پروگرام کے مطابق بابا جان نے روالپنڈی مرکز (آستانہ خواجہ ولی محمد صاحب) پر آنا تھا۔ لیکن راولپنڈی میں جگہ جگہ ممتاز قادری کی سزا کے خلاف ریلیاں اور جلوس نکالے جا رہے تھے اور بعض جگہوں پر سڑکوں کو بند کیا ہوا تھا۔ اِن خطرات کے پیش نظر خالد مسعود صاحب بابا جان اور پروفیسر صاحب کو اسلام آباد اپنی رہائش گاہ پر لے گئے۔ بابا جان اور دیگر چند بھائی عصر تک وہاں ہی رہے۔ عصر کے بعد خالد مسعود صاحب بابا جان کو لے کر مغرب سے پہلے مرکز راولپنڈی پہنچ گئے۔ مغرب کی نماز عزیز عارف صاحب نے اپنی دلکش قرآت کے ساتھ پڑھائی۔ نماز کے بعد تھوڑی دیر بھائیوں کی بابا جی سے گفت وشنید جاری رکھی گئی حتیٰ کہ ٹریفک کے متاثرین جو مظاہروں کی وجہ سے جگہ جگہ پھنس گئے تھے وہ بھی پہنچ آئے۔ حلقہ کا مختصر سا تعارف ذکر کا طریقہ اور اِس کی افادیت بتانے کے بعد ذکر شروع کیا گیا۔ جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا۔ عزیز عارف صاحب نے ختم پڑھا، بابا جی نے دُعا فرمائی۔ بابا جان نے سب بھائیوں کے روحانی درجات دنیاوی ترقی اور پاکستان کی خوشحالی و اِستحکام کیلئے خصوصی دُعا کی۔ عشاء کا وقت ہو چکا تھا اِس لئے

عشاء کی نماز ادا کی گئی۔ نماز کے بعد ماحاضر تناول کیا گیا۔ کھانا جناب محمد اقبال احمد صاحب نے تیار کیا تھا۔ جس میں صرف چکن نان اور حلوہ تھا بابا جان نے کھانے کی تعریف کی اور اقبال بھائی کو شاباش دی۔

کھانے کے بعد بھائیوں نے بابا جی کے فرمودات سننے کیلئے بابا جی کو گھیر لیا۔ بابا جان کے بیٹھنے کیلئے ایک کرسی رکھی گئی تا کہ آپ سہولت کے ساتھ اپنی آواز بھائیوں کے کانوں تک پہنچا سکیں۔ بابا جی بڑے خوشگوار موڈ میں تھے اور ایک خاص انداز سے بھائیوں کو تبلیغ کرنے لگے بھائیوں نے بھی ہمہ تن گوش ہو کر بابا جی کی باتیں سنیں۔ باتوں باتوں میں دُعا کی بات چل نکلی بابا جان نے فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں کی دُعائیں رد نہیں کرتا وہ تو کافروں، منافقوں اور مشرکوں کی دُعائیں بھی سنتا ہے۔ لیکن ہمیں دُعا مانگنے کا طریقہ نہیں آتا۔ یہ تو عام مشہور حدیث ہے کہ اللہ اپنے بندوں کے ساتھ ماں سے ستر گنا زیادہ پیار کرتا ہے بچہ ماں سے جب کوئی چیز مانگتا ہے یا کوئی فرمائش کرتا ہے تو ماں اُسے پورا کر دیتی ہے۔ اور اگر کبھی کبھار وہ اُس کی بات پر توجہ نہیں دیتی تو بچہ اُس کی گود میں بیٹھ جاتا ہے اُس سے لپٹ جاتا ہے اُس کی منت سماجت کرتا ہے آخر وہ ماما کی ماری مجبور ہو جاتی ہے اور اُس کی خواہش اُس کی ضرورت پوری کر دیتی ہے۔ بابا جی نے فرمایا ہم بس دُعا پڑھ لیتے ہیں دُعا مانگتے نہیں۔ مانگنے اور پڑھنے میں بڑا فرق ہے۔ اگر ہمیں دُعا مانگنے کا طریقہ آ جائے تو پھر دیکھو کیا کچھ نہیں ہوتا اور کیسے دُعا قبول نہیں ہوتی بابا جان نے فرمایا کہ کیا تم نے کبھی اُس مانگنے والی کو دیکھا جو آواز لگاتی ہے بابو جی دے دے کچھ اللہ کے نام۔ بابو کہتا ہے بھاگ جاو وہ بجائے بھاگنے کے دو قدم آگے بڑھ کر بابو کا راستہ روک لیتی ہے۔ پھر وہی سوال بابو جی دے بھی دے میں بڑی مجبور ہوں بڑی غریب ہوں بابو رُخ بدل کر دوسری طرف سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے وہ پھر اُس کے سامنے آ جاتی ہے اور اپنا سوال دہراتی ہے۔ آخر بابو کو بھی اُس پر رحم آ جاتا ہے اور اُسے کچھ دے کر ہی آگے بڑھتا ہے۔ یہ ہے مانگنے کا طریقہ بابا جی نے فرمایا کہ دُعا دستک کی طرح ہے اور مسلسل دستک سے دروازہ کھل ہی جاتا ہی۔ کسی بھائی نے جادو ٹونے کے بارے میں دریافت کیا۔ بابا جان نے بتایا کہ جادو برحق ہے۔ لیکن اللہ نے اِس کا توڑ بھی بتا

دیا ہے۔ سورہ فلق اور سورہ ناس اِس کا بہترین توڑ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کو بتایا اِس کے علاوہ سورہ یونس کی آیت نمبر 78 اور 80 بھی اِس کا توڑ ہے۔ اگر چہ بھائیوں کی خواہش تھی کہ بابا جان بولتے رہیں اور وہ سنتے رہیں لیکن بابا جان کے سفر کی تھکاوٹ ضعفِ عمر اور صحت کے مدنظر مجلس برخاست کرنی پڑی۔ بابا جان نے اختتامی دُعا فرمائی۔ مورخہ 8۔ اکتوبر کا پروگرام بھائیوں کی اطلاع کیلئے نشر کیا گیا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے خالد مسعود صاحب بابا جی کو لے کر اسلام آباد روانہ ہو گئے۔ بھائیوں نے بھی اپنی اپنی منزل کی راہ لی۔ 8۔ اکتوبر ناشتہ کا بندوبست حلقہ کے ایک بھائی نعمان صاحب نے کیا ہوا تھا۔ اِس لئے مسعود صاحب اور عبدالوحید صاحب خادم حلقہ اسلام آباد بابا جی کو مرکز لے آئے۔ جہاں چند دیگر بھائیوں نے ساتھ مل کر ناشتہ کیا ناشتہ کے بعد گفت وشنید کا سلسلہ شروع ہوا تو کسی بھائی نے ناموں کو بگاڑ کر بولنے کے بارے میں سوال کیا بابا جان نے فرمایا کہ یہ ایک بُری عادت ہے۔ ناموں کو کبھی بھی بگاڑ کر نہیں پکارنا چاہئے۔ اِس بات کا خیال رکھا جائے کہ ہمیشہ اچھے اور اسلامی نام رکھے جائیں اور جب بھی نام پکارا جائے تو پورا نام لیا جائے۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ کچھ خواتین بابا جی کو ملنے تشریف لائیں۔ اِس لئے مجلس برخاست کرنی پڑی۔ آئی ہوئی بہنوں سے بات چیت ختم کرنے کے بعد عبدالوحید صاحب خادم حلقہ اسلام آباد بابا جی کو لنچ پر اسلام آباد لے گئے۔ چند دوسرے بھائیوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا۔ مغرب سے پہلے عبدالوحید صاحب بابا جان کو مرکز لے آئے جہاں مغرب کی نماز کے بعد حلقہ ذکر عارف عزیز صاحب نے کرایا۔ ذکر کے اختتام پر بابا جان نے آج بھی بھائیوں کے روحانی، دنیاوی درجات اور پاکستان کی سلامتی کی دُعا فرمائی۔ دُعا کے بعد کھانا پیش کیا جس میں نہاری نان اور کھیر تھی۔ آج کا کھانا بھی اقبال صاحب نے ہی تیار کیا تھا۔ آج پھر اقبال صاحب کی تعریف کی گئی۔ کھانے کے بعد حسب معمول گفت وشنید کا پروگرام شروع ہوا تو بابا جان نے قبلہ انصاریؒ کی زندگی کے کچھ حالات بھائیوں کو سنائے لیکن آج بابا جان کے فرمودات میں نماز کے بارے میں زیادہ زور تھا بابا جان نے فرمایا کہ نماز میں جتنا خشوع وخضوع ہوگا اتنی ہی زیادہ یہ مقبول ومغفور ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **واقیمو الصلوٰۃ** کہ

نماز قائم کرو۔ لیکن ہم نماز کو بھی صرف پڑھ لیتے ہیں قائم نہیں کرتے۔ بابا جی نے بتایا کہ نماز قائم کرنے کیلئے اللہ سے رابطہ جوڑنا ہوگا جبکہ دیگر سب الہ سے جنہیں ہم نے اپنے دلوں میں بٹھا رکھا ہے رابطہ توڑنا ہوگا۔ اِس کے لے قبلہ انصاری صاحب نے بہت آسان طریقہ بتا دیا ہے اور وہ ہے پاس انفاس۔ جتنا پاس انفاس زیادہ ہوگا اتنا ہی اللہ سے رابطہ بھی مضبوط ہوگا۔ بابا جی نے سب بھائیوں سے کہا کہ نماز میں کسی قسم کی سستی یا کوتاہی ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ قبلہ انصاریؒ صاحب کا فرمان ہے کہ جو توحیدی بھائی نماز میں کوتاہی کرے گا۔ نماز نہیں پڑھے گا تو گویا وہ فکرو فاقہ کو دعوت دے گا وہ پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر نماز وقت مقررہ پر جماعت کے ساتھ ادا کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی رکوع اور سجود کی حالت بہت پسند ہے وہ بندے کو اِس حالت میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ لہٰذا رکوع وسجود کی تسبیحات بڑے پیار سے پڑھنی چاہیں۔ اور کچھ دیر اِسی حالت میں خاموش رہ کر اللہ کا تصور دل میں بٹھانا چاہیے اور محسوس کریں کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے یہ عاجزی اور انکساری کی انتہا ہے جو اللہ کو بہت پسند ہے۔ اِس کی پریکٹس کریں پھر دیکھیں کہ اللہ اپنے انوارات اور تجلیات کی بارش کیسے کرتا ہے اور بندے کو کتنا سکون حاصل ہوتا ہے بھائیوں نے بڑے انہماک اور غور سے بابا جان کی باتیں سنیں جس سے بھائیوں کی قلبی اور روحانی حالت پر گہرا اثر پڑا۔ وقت کی رفتار بھی تیز ہوگئی گھڑی نے دس بجا دیئے۔ لہٰذا بابا جی ے الوداعی دُعا فرمائی بھائیوں سے مصافحہ کیا اور عبدالوحید صاحب کے ساتھ اسلام آباد کو روانہ ہو گئے جہاں سے انہوں نے ناشتہ کے بعد 9۔ اکتوبر کو گوجرانوالہ روانہ ہونا تھا۔ اور جناب محمد شریف چیمہ صاحب نے بابا جی کو اپنی گاڑی میں مرکز تعمیر ملت چھوڑ کر آنا تھا۔ الوداع، الوداع!

اللہ تعالیٰ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا سایہ توحیدی بھائیوں کے سروں پر قائم رکھے اور تمام بھائیوں کو سلسلہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

# حضرت سعدؓ بن عُبادہ ساعدی انصاری

(طالب الہاشمی)

رحمتِ عالم ﷺ ایک دن مسجد نبویؐ میں رونق افروز تھے۔ کئی جاں نثار بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے اور حضور ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفیض ہو رہے تھے۔ اتنے میں کسی نے خبر دی کہ آپؐ کے ایک مدنی جاں نثار سخت بیمار ہیں۔ حضور ﷺ یہ خبر سن کر بے چین ہو گئے اور صحابہؓ کرام کو ساتھ لے کر عیادت کیلئے اِن کے گھر تشریف لے گئے۔ اِس سے پہلے حضور ﷺ کبھی اِن کے گھر تشریف لے جاتے تھے تو وہ فرطِ مسرت سے بے خود ہو جاتے تھے اور آپؐ کے استقبال کیلئے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیا کرتے تھے، لیکن آج حضور ﷺ نے ان کے گھر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ درد کی شدت نے انہیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔ ایسے بے ہوش تھے کہ دیکھنے والوں کو ان کے مردہ ہونے کا گمان ہوتا تھا۔ کسی نے کہا، فوت ہو گئے ہیں کچھ بولے، ابھی دم باقی ہے۔ حضور گو ان کی حالت دیکھ کر اِس قدر صدمہ ہوا کہ آپؐ پر رقت طاری ہو گئی اور آنکھوں سے بیس اشک رواں ہو گیا۔ آپ گو دیکھ کر صحابہ کرامؓ بھی رونے لگے، تاہم حضور ﷺ نے سب کو دلاسا دیا، بیمار کیلئے صحت کی دُعا فرمائی اور بادیدہ نم تشریف لے گئے۔ یہ علیل صاحب رسول، جن کے ساتھ سید الانام ﷺ کو ایسا قلبی لگاؤ تھا، سیدنا حضرت سعدؓ بن عبادہ ساعدی انصاری تھے۔

سیدنا حضرت سعدؓ بن عبادہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ وہ خزرج کے شاخ ''بنو ساعدہ'' کے چشم و چراغ تھے اور امارت و ریاست ان کے گھر کی کنیز تھی، اِسی لئے سید الخزرج کے لقب سے مشہور تھے۔ کنیت ابو قیس بھی تھی اور ابو ثابت بھی۔ نسب نامہ یہ ہے:۔

سعدؓ بن عُبادہ بن دُلیم بن حارثہ بن ابی خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

والدہ کا نام عمرہؓ بنت مسعود تھا۔ ان کو بھی قبول اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت

سعدؓ کے دادا دُلیم اور والد عبادہ اپنے خاندان ساعدہ کے سردار اور قبیلہ خزرج کے مقتدر رؤسا میں سے تھے۔ وہ صرف نام ہی کے رئیس نہ تھے بلکہ دل کے بھی رئیس تھے اور ان کے دستر خوان سے ہزاروں لوگ پرورش پاتے تھے۔ دُلیم کے زمانے سے ان کے خاندان میں یہ دستور تھا کہ ہر روز قلعہ پر سے ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ جس شخص کو عمدہ اور لذیذ کھانا، گوشت اور روغن مطلوب ہو وہ آئے اور ہمارے ہاں قیام کرے۔ دُلیم کی اِس دعوتِ عام سے مسافر اور مقامی سبھی لوگ مستفید ہوتے تھے۔ اِس طرح دُور دُور تک ان کی سخاوت اور فیاضی کا شہرہ ہو گیا تھا۔ ان کا خاندانی بت مناۃ تھا۔ ہر سال مکہ جا کر دس اونٹ اِس کی نذر کے طور پر ذبح کیا کرتے۔ دُلیم کے بعد عُبادہ اور عبادہ کے بعد سعدؓ نے بھی اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا اور اپنی جود و سخا کی دھاک بٹھا دی۔ اسلام سے پہلے عرب میں لوگ بالعموم جاہل تھے اور بہت کم آدمی ایسے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ مدینہ کے ان چند آدمیوں میں سے جو زمانہ جاہلیت میں نہایت عمدہ عربی لکھ لیتے تھے۔ انہیں صرف نوشت و خواند ہی کا ملکہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک ماہر قدر انداز اور تیراک بھی تھے۔ اِسی لئے لوگوں میں ''کامل'' کے لقب سے مشہور تھے۔

۱۱ ؁ بعد بعثت میں مدینہ کے چھ سعادت مند خزرجی مکہ سے مسلمان ہو کر واپس آئے تو خزرج کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اللہ تعالیٰ نے فطرت سعید عطا کی تھی، وہ بھی اِسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ اگرچہ بعض روایات میں ہے کہ وہ بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ ؁ نبوت) میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے لیکن صحیح یہی ہے کہ وہ اس سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے۔ ۱۳ ؁ بعد بعثت میں اہل مدینہ کا ایک بڑا قافلہ حج کیلئے مدینہ سے مکہ روانہ ہونے لگا، تو حضرت سعدؓ بن عبادہ سمیت ۷۵ اہل ایمان بھی اِس قافلے میں شامل ہو گئے۔ یہی وہ بلند ہمت اور جری نفوس تھے جو ایک مقررہ رات کی تاریکی میں اپنے مشرک ساتھیوں سے الگ ہو کر عقبہ کی گھاٹی میں سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی بیعت کی اور اِس عہد کے ساتھ حضور ﷺ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ اپنی جانوں،

مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور حمایت کریں گے۔ بیعت کے بعد اہل مدینہ نے حضورﷺ کے ارشاد کے مطابق اپنے میں سے بارہ نقیب منتخب کیے۔ اِن میں نو خزرجی تھے اور تین اوسی۔ خزرجی نقباء میں ایک حضرت سعدؓ بن عبادہ تھے۔ تاریخ میں یہ مہتم بالشان واقعہ بیعت عقبہ ثانیہ، بیعت عقبہ کبیرہ یا بیعت لیلۃ العقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہی واقعہ سرورِ عالمﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہجرت الی المدینہ کی تمہید بنا۔ اگر چہ بیعت عقبہ کبیرہ کا انعقاد بالکل خفیہ ہوا پھر بھی مشرکین مکہ کے کانوں سے کسی نہ کسی طرح اِس کی بھنک پڑ گئی۔ وہ علی الصباح اہل قافلہ کے پاس گئے اور اِن سے کہا۔

''اے گروہِ خزرج ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے خلاف جنگ آزما ہونے کیلئے محمدﷺ سے بیعت کی ہے''۔

یثرب (مدینہ) کے مشرکین کو اِس بیعت کا کوئی علم نہ تھا، وہ قسمیں کھانے لگے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اِن کے سردار عبداللہ بن اُبی نے کہا اگر ایسا کوئی واقعہ ہوا تو مجھ سے کبھی پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا۔

عمایدِ قریش اِس جواب پر مطمئن ہو کر واپس چلے گئے، لیکن جلد ہی انہیں اصل واقعے کا علم ہو گیا۔ اب وہ اہل قافلہ کے تعاقب میں نکلے۔ قافلہ تو نکل چکا تھا، لیکن بدقسمتی سے حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت منذرؓ بن عمرو اِس سے بچھڑ گئے تھے۔ مشرکین نے انہیں اذاخر (یا حاجز) کے مقام پر جالیا۔ مُنذرؓ تو کسی طرح ان کی گرفت سے نکل گئے، مگر حضرت سعدؓ بن عبادہ ان کے پنجہ ستم میں گرفتار ہو گئے۔ ظالموں نے کجاوے کے تسموں سے ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے اور ان کو مارتے پیٹتے اور سر کے بال پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مکہ لائے۔ اب جو کوئی آتا ان کو زدوکوب کرتا اور ان کے سر کے بال پکڑ کر کھینچنا شروع کر دیتا۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کا بیان ہے کہ ''میں جب مکے میں قریش کا ہدف ستم بنا ہوا تھا، ایک گورا چٹا، روشن چہرے والا، وجیہہ شخص مجھے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ (یہ شخص سہیل بن عمرو تھے جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے) میں نے دل میں خیال کیا کہ اگر مجھے کسی شخص سے شریفانہ سلوک کی اُمید ہو سکتی ہے تو وہ یہی شخص ہوگا، لیکن جب وہ

میرے قریب آیا تو اس نے اِس زور سے میرے منہ پر تھپڑ (گھونسا) مارا کہ میرا منہ پھر گیا۔ اب میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب کے سب ظالم اور سیاہ باطن ہیں۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا (یہ ابوالبختری بن ہشام تھا) اِس نے مجھ سے کہا" اے بھائی اِس طرح کب تک مار کھاتے رہو گے، کیا مکہ میں تمہاری کسی سے شناسائی نہیں ہے؟" میں نے کہا، "ہاں میں حارث بن امیہ (بن عبد شمس بن عبد مناف) اور جُبیر بن مطعم بن عدی کو جانتا ہوں۔ یہ دونوں تجارت کے سلسلے میں ہمارے شہر یثرب آتے جاتے رہتے ہیں، میں نے بارہا ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کی ہے۔ اِس نے کہا تو پھر ان دونوں کا نام لے کر دوہائی دو اور لوگوں کو بتاؤ کہ تمہارے اور ان کے درمیان کیا تعلق ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اُدھر وہ شخص شہر گیا اور ان دونوں کو حرم کعبہ میں موجود پا کر کہا، خزرج کا ایک آدمی ابطح میں اہل مکہ کے ہاتھوں بُری طرح پٹ رہا ہے اور وہ تم دونوں کے نام کی دُہائی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اس کے اور تمہارے درمیان جوار (پناہ) کا تعلق ہے۔ انہوں نے پوچھا، وہ اپنا نام کیا بتاتا ہے؟ اِس نے کہا، سعد بن عبادہ۔ اُنہوں نے کہا' غضب ہو گیا۔ یہ سعد تو قبیلہ خزرج کا رئیس اعظم ہے اور خدا کی قسم جو کچھ وہ کہہ رہا ہے بالکل سچ ہے۔ وہ ہمیشہ ہمیں پناہ دیتا رہا ہے اور اِس نے یثرب میں کبھی کسی کو ہم پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر وہ دوڑتے ہوئے آئے اور مجھے اِن ظالموں کے پنجے سے نجات دلائی۔

حضرت سعدؓ رہائی پا کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں انہیں اپنے انصاری بھائی واپس مکہ کی جانب آتے ملے وہ انہی کی تلاش میں آرہے تھے اب انہیں ساتھ لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

ہجرت کے بعد رحمت عالم ﷺ نے مدینہ میں نزول اجلال فرمایا تو انصار نے والہانہ جوش و خروش سے آپ کا استقبال کیا، حضرت سعد بھی اِن میں شامل تھے۔ حضور ﷺ بنو ساعدہ کے محلے سے گزرے تو حضرت سعدؓ نے آگے بڑھ کر عرض کیا" یارسول اللہ میرا غریب خانہ حاضر ہے اِس کو شرف اقامت بخشیے"۔ حضور ﷺ نے ان کو دُعائے خیر و برکت دی اور فرمایا۔ "میری اونٹنی کو چلنے دو، جہاں حکم ہے وہیں جا ٹھہرے گی"۔

سیدالانامؐ کا شرف میزبانی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مقدر میں لکھ رکھا تھا، چنانچہ آپؐ کی اونٹنی انہیں کے دروازے کے سامنے جا کر بیٹھ گئی اور خانہ ابوایوب انوارِ رسالتؐ سے جگمگانے لگا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کے دارِ ابوایوبؓ میں رونق افروز ہوتے ہی انصار کے گھروں سے انواع واقسام کے کھانے آپؐ کی خدمت میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے گھر سے عراق اور ثرید سے بھرا ہوا ایک بڑا برتن آپؐ کی خدمت میں پہنچا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ''الاصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ اکثر حضورﷺ کی خدمت میں کھانا بھیجا کرتے تھے۔ ہجرت کے پہلے سال کے اخیر (یا دوسرے سال کے آغاز میں) حضورﷺ غزوہ ابواء کیلئے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ بن عُبادہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنا کر چھوڑ گئے۔

رمضان ۲ ھ میں غزوہ بدرالکبریٰ سے پہلے حضورﷺ کو مکہ سے لشکر قریش کی روانگی کی اطلاع ملی تو آپؐ نے دشمن سے نبرد آزما ہونے کے بارے میں اپنے جاں نثاروں سے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین میں سے بعض اصحاب نے نہایت ولولہ انگیز تقریریں کیں اور حضورﷺ کو یقین دلایا کہ وہ راہِ حق میں جان کی بازی لگا دیں گے۔ اِن کے جذبہ فدویت نے حضورﷺ کو بہت مسرور کیا تاہم آپؐ نے فرمایا کہ اب دوسرے اصحاب بھی رائے دیں۔ اِس ارشاد کا مقصد انصار کی مرضی معلوم کرنا تھا کیونکہ انصار نے بیعت لیلۃ العقبہ میں صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں آپکی حفاظت اور مدد کریں گے۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر بھی آپؐ کی حمایت میں لڑیں گے۔ حضرت سعدؓ حضورؐ کا منشاء سمجھ گئے، اُنہوں نے اُٹھ کر عرض کیا:

''یارسول اللہؐ شاید آپ ہماری مرضی معلوم کرنا چاہتے ہیں''۔

حضورﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' حضرت سعدؓ نے عرض کیا۔

''اے اللہ کے رسولؐ، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کودنے کا حکم دیں تو ہم بلا تامل کود جائیں گے۔ اور خشکی کا حکم ہو تو ہم برک الغماد (یمن کا ایک دور دراز مقام) تک اونٹوں کے کلیجے پگھلا دیں گے''۔

ایک روایت کے مطابق یہ الفاظ سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ اشہلی انصاری کی زبان

سے ادا ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن عُبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ دونوں اپنے اپنے قبیلے کے سر برآوردہ رئیس تھے اِس لئے مستبعد نہیں کہ دونوں نے اپنے جذبہ فدویت کا اظہار ایک دوسرے سے ملتے جلتے الفاظ میں کیا ہو۔ بہر صورت سرورِ عالم ﷺ ان کے پر جوش اظہارِ فدویت پر اِس قدر خوش ہوئے کہ چہرہ مبارک چمک اُٹھا اور آپؐ نے تیاری کا حکم دے دیا۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ غزوہ بدر پر جانے کیلئے بالکل تیار تھے کہ کتے نے کاٹ کھایا اور وہ حضور ﷺ کی ہمرکابی سے محروم رہ گئے۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا کہ افسوس اِن کی لڑائی میں شریک ہونے کی بڑی تمنا تھی۔ تاہم آپؐ نے ان کو اصحابِ بدر میں شامل فرمایا اور مالِ غنیمت میں ان کو حصہ دیا۔ ابن سعدؒ کے برعکس امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے نزدیک حضرت سعدؓ غزوہ بدر میں عملاً شریک تھے۔

اگلے سال ۳ھ میں غزوہ اُحد پیش آیا۔ حضرت سعدؓ اِس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ کفارِ مکہ کی پُر جوش یلغار کی خبر مشہور ہوئی تو اہل مدینہ نے شہر کے اردگرد مسلح پہرے بٹھا دیئے۔ اِس موقع پر کاشانہ نبویؐ کی حفاظت کا ذمہ حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے لیا۔ وہ کچھ آدمیوں کے ساتھ مسلح ہو کر مسجد نبویؐ میں پہنچ گئے اور رات بھر کاشانہ نبوی کا پہرہ دیتے رہے۔ اگلے دن سرورِ عالم ﷺ میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئے تو خزرج کا علم حضرت سعدؓ بن عُبادہ کو مرحمت فرمایا۔ وہ اور سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ عَلَم اُٹھائے لشکر کے آگے آگے چل رہے تھے۔ لڑائی کا آغاز ہوا تو حضرت سعدؓ بن عبادہ شروع سے اخیر تک میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ جب انہیں رسول اکرم ﷺ کے مجروع ہونے کی خبر ملی تو بے تاب ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اِس وقت حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح اور کچھ دوسرے صحابہ بھی حضور ﷺ کے پاس پہنچ چکے تھے۔ اِن سب نے مل کر حضور ﷺ کی تیمارداری اور حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔

غزوہ اُحد کے چند ماہ بعد یہود بنونضیر نے غداری پر کمر باندھی تو حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ چند ہی دنوں میں ان کے کس بل نکل گئے اور انہوں نے شکست تسلیم کر لی۔ (حضور ﷺ

نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کرنے پر ہی اکتفا کیا) بنونضیر کے محاصرے کے دوران میں حضرت سعدؓ بن عبادہ اپنے خرچ پر مجاہدین میں کھجوریں تقسیم کرتے رہے۔

شعبان ۵ھ ہجری میں حضورﷺ بنو مصطلق کی سرکوبی کیلئے مریسیع تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ بن عُبادہ بھی آپؐ کے ہم رکاب تھے۔ اِس موقع پر تمام انصار (اوس و خزرج دونوں) کا علَم اِن کے پاس تھا۔

اِسی سال غزوہ احزاب پیش آیا جس میں عرب کے تمام مشرکین اور یہود متحد ہو کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے۔ مسلمانوں کیلئے یہ سخت امتحان کا وقت تھا لیکن وہ اپنی قوتِ ایمانی کی بدولت اِس امتحان میں سرخرو نکلے۔ جنگ کے دوران میں ایک موقع پر حضورﷺ نے بنوغطفان کے طالع آزماؤں کو کفار سے توڑنے کیلئے غطفانی سرداروں سے گفتگو کی طرح ڈالی۔ اِن لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ہمیں دے دیا جائے تو ہم واپس چلے جائیں گے۔ حضورؐ نے مشورہ کیلئے حضرت سعدؓ بن عُبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اُسیدؓ بن حضیر کو بلا بھیجا اور انہیں غطفانیوں کے مطالبے سے آگاہ فرمایا۔ اِن تینوں نے عرض کیا، یارسول اللہﷺ اِس معاملے میں اللہ کی طرف سے تو کوئی حکم نازل نہیں ہوا؟'' حضورﷺ نے فرمایا، نہیں۔ اِس پر تینوں نے بیک زبان کہا:۔

''یارسول اللہ ان غطفانیوں کو تو ہم نے زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی گھاس نہیں ڈالی اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ذریعے ہمیں راہِ ہدایت دکھائی اور اسلام نے ہمیں سربلند کیا تو ہم ان کو کیا خراج دیں گے؟ ہمارے لئے تو ان کیلئے تلوار ہے اور بس''۔

سرورِ عالمﷺ اِن کی غیرت دینی سے بہت خوش ہوئے اور اِن کیلئے دُعائے خیر فرمائی۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوہ احزاب میں بھی انصار کا علَم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے پاس تھا۔

غزوہ احزاب (خندق) کے بعد حضورؐ نے یہودِ بنوقریظہ کا محاصرہ کیا تو اثنائے محاصرہ میں حضرت سعدؓ بن عبادہ نے محاصرہ کرنے والے مجاہدین کو سامانِ رسد اپنے پاس سے بہم پہنچایا۔

ربیع الآخر ۶ھ میں بنوغطفان اور بنوفزارہ کے لٹیروں نے مدینہ سے چند میل دور غابہ میں حضورﷺ کے اونٹوں پر لوٹ ڈالی تو آپؐ اِن کی سرکوبی کیلئے ذی قرد تشریف لے گئے۔ اِس موقع پر آپؐ نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا اور تین سو مجاہدین

شہر کی حفاظت کیلئے ان کی تحویل میں دیئے۔ ابن سعدؓ نے لکھا ہے کہ اثنائے سفر میں حضور ﷺ کو سامانِ رسد کی ضرورت محسوس ہوئی تو آپ ؐ نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اطلاع بھیجی۔ اُنہوں نے مدینہ سے دس اونٹ اور کھجوروں کے بہت سے گٹھے بھیجے جو حضور ﷺ کو ذی قرد کے مقام پر مل گئے۔

ذیقعد ۶ ھ میں حدیبیہ کے مقام پر ''بیعت رضوان'' کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس موقعہ پر حضرت سعدؓ بن عبادہ اِن چودہ سو سرفروش صحابہ کرامؓ میں شامل تھے۔ جنہوں نے حضورؐ کے درست مبارک پر ''موت'' کی بیعت کی اور جن کو کھلے لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی بشارت ملی۔

صلح حدیبیہ کے بعد سرورِ عالم ﷺ غزوہ خیبر کے لئے روانہ ہوئے تو اسلامی لشکر کے تین جھنڈے بنائے، اِن میں سے ایک جھنڈا آپ ؐ نے حضرت سعدؓ کو عطا فرمایا۔

رمضان المبارک ۸ ھ ہجری میں رحمت عالم ﷺ نے فتح مکہ کا عزم فرمایا تو خاص اپنا جھنڈا حضرت سعدؓ بن عبادہ کے سپرد فرمایا۔ مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو حضرت سعدؓ پرچم اُڑاتے ہوئے بڑی شان سے انصار کے آگے آگے چل رہے تھے۔ اِس وقت ان کے جوش و خروش کا عجیب عالم تھا۔ سپہ سالارِ قریش ابوسفیان پر نظر پڑی تو ان کے بے پناہ جوش نے رجز کی صورت اختیار کر لی۔

**الیوم یوم المحمه الیوم تستحل الحرم**

(آج کا دن سخت خونریزی کا دن ہے آج کعبہ حلال ہو جائے گا)

حضرت ابوسفیان یہ رجز سن کر لرز گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بعد حضور ﷺ کا دستہ خاص ان کے سامنے سے گزرا تو ابوسفیان نے پکار کر کہا:۔

''اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپ ؐ نے اپنی قوم کے قتل کا حکم دیا ہے۔ للّٰہ اِس پر رحم کیجئے۔ سعدؓ بن عبادہ ابھی یہ دھمکی دے کر گزرے ہیں کہ آج سخت خونریزی کا دن ہے، آج کے دن حُرمتیں اُتاری جائیں گی اور قریش کو برباد کر دیا جائے گا۔ میں آپ کو اپنی قوم کے بارے میں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ تو تمام لوگوں میں بھلے اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں''۔

اِس موقع پر حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی حضورؐ کی خدمت میں

عرض کیا کہ ہمیں ڈر ہے کہیں سعدؓ واقعی قریش پر تلوار نہ چلا دیں۔ عین اسی وقت ایک شخص نے ضرار بن خطاب کے پُر درد اشعار حضور ﷺ کے سامنے پڑھنے شروع کر دیئے جن میں آپؐ سے فریاد کی گئی تھی کہ سعدؓ بن عُبادہ اہل مکہ کی کمر توڑنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت آپؐ کے سوا قریش کو کوئی اور پناہ دینے والا نہیں، زمین اِن کیلئے تنگ ہے اور آسمان ان کا دشمن ہے۔

حضور ﷺ نے یہ سب کچھ سنا تو آپ کا دریائے رحمت جوش میں آ گیا۔ فرمایا: سعدؓ نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عظمت دوبالا ہوگی۔ آج رحم کرنے کا دن ہے۔ آج قریش کو عزت دی جائے گی۔ آج کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا''۔

اِس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ کو حضرت سعدؓ کے پاس بھیجا کہ جھنڈا اِن سے لے کر ان کے بیٹے قیسؓ کو دے دیا جائے۔ حضرت سعدؓ جھنڈا دینے میں متذبذب ہوئے اور کہا کہ مجھے جب تک یہ ثبوت نہ مل جائے کہ واقعی حضور ﷺ نے مجھ سے جھنڈا لینے کا حکم دیا ہے میں جھنڈا کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔ حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے اپنا عمامہ مبارک حضرت سعدؓ کے پاس بھیجا۔ اب انہوں نے جھنڈا اپنے بیٹے قیسؓ کے حوالے کر دیا۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، ''یارسول اللہؐ مجھے ڈر ہے کہیں قیسؓ بھی قریش سے انتقام لینے پر نہ تُل جائے''۔ اِس پر حضور ﷺ نے حضرت قیسؓ سے بھی جھنڈا لے لیا اور اسے حضرت زبیرؓ بن العوام کے سپرد کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد حضرت سعدؓ نے حُنین کی خونریز لڑائی میں حضورؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوہ حنین میں خزرج کے علمبردار حضرت سعدؓ بن عُبادہ ہی تھے۔

غزوہ حُنین کے بعد مال غنیمت تقسیم فرمایا تو بعض نومسلموں نے تالیف قلب کے طور پر بطورِ خاص بڑے بڑے حصے عنایت فرمائے اس پر انصار کے نوجوان آزردہ ہوئے اور اِن میں کچھ اِس قسم کی چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ مشرکوں کا خون ابھی تک ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن مالِ غنیمت قریش اور ان کے حلیفوں ہی کو دیا جا رہا ہے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے یہ باتیں سنیں تو سب جا کر حضور ﷺ کے گوش گزار کر دیں۔ آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ تمام انصار کو فلاں خیمے میں جمع کرو۔ جب تمام لوگ جمع ہو گئے تو حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ میں نے ایسی ایسی باتیں سنی ہیں ان میں سے بعض نے عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ بڑی عمر کے لوگوں اور ہمارے اکابر نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی البتہ نوجوانوں نے بمقتضائے عمر ایسی باتیں ضرور کہی ہیں''۔

حضور ﷺ نے فرمایا:۔

''یا معشرِ انصار کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ میں تمہیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر طریق حق پر لایا اور جنت کا مستحق بنایا، تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم قبائل عرب میں حقارت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے میں نے تمہیں عزت کے مقام پر فائز کیا''۔

رسول اکرم ﷺ کے ہر ارشاد پر انصار بے ساختہ کہے جاتے تھے'' بیشک اللہ اور اس کے رسول کا احسان بہت بڑا ہے'' حضورؐ نے فرمایا۔ ''تم بھی اپنے احسانات بیان کرو''۔

انصار نے عرض کیا۔ ''یا رسولؐ اللہ ہم کیا عرض کیا''۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

''تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا، ہم نے اپنے گھروں میں پناہ دی۔ تیرا کوئی مددگار نہیں تھا۔ ہم نے تیری مدد کی، تو بے سروسامان تھا ہم نے تجھے غنی کیا۔ ساری دُنیا نے تجھے جھٹلایا ہم نے تیری تصدیق کی۔ تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو لیکن اے گروہِ انصار کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ دوسرے لوگ اونٹ بکریاں اور مال و دولت کو لے جائیں اور تم محمد ﷺ کو اپنے گھر لے جاؤ''۔

حضور ﷺ کے ارشادات سن کر انصار کے قلب وجگر کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ روتے روتے اِن کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بے اختیار پکار اُٹھے۔ ''ہم کو صرف محمد رسول اللہؐ مطلوب ہیں''۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا۔

''انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں۔ اے اللہ انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما۔ اے گروہِ انصار قریش کو اس لئے زیادہ مال دیا گیا کہ ان کی تالیف قلب ہو جائے کیونکہ ابھی وہ جدید الاسلام ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے''۔

انصار رحمت عالمؐ کی معیت میں اپنے گھروں کو لوٹے تو فرطِ مسرت سے ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے۔

۹ ھ ہجری میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کو غزوہ تبوک کی تیاری کا حکم دیا اور اِس سلسلے میں انہیں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی۔ اِس موقع پر ایثار و قربانی کے تحیر خیز مناظر دیکھنے میں

آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے گھر کی سوئی سلائی تک لا کر بارگاہِ رسالت میں پیش کر دی۔ حضرت عمر فاروقؓ گھر کا آدھا مال واسباب لے آئے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک ہزار اونٹ مع پالان اور ایک خطیر رقم پیش کی۔ اسی طرح دوسرے صحابہؓ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے بہت بڑی رقم پیش کی۔ اس کے بعد انہوں نے تبوک کے پُرصعوبت سفر میں حضورعلیہ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ ہجری میں سرورِ عالمﷺ نے رحلت فرمائی تو مسلمانوں پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا، لیکن ساتھ ہی ان کو یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ اُمت مسلمہ کا تھوڑی مدت کیلئے بھی سربراہ کے بغیر رہنا خطرے سے خالی نہیں، چنانچہ جونہی حضورعلیہ کے وصال کی خبر مشہور ہوئی، خلافت کا سوال اُٹھ کھڑا ہوا۔ انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں، جو حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی ملکیت تھا جمع ہوئے۔ حضرت سعدؓ قدرے علیل تھے تاہم لوگ انہیں سہارا دے کر اجتماع میں لے آئے۔ جہاں وہ کپڑا اوڑھے ہوئے تکیہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک پُر زور خطبہ دیا جس میں انصار کی قربانیاں اور فضائل بیان کیے اور اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ رسول اللہﷺ ہمیشہ انصار سے خوش رہے۔ خطبہ کے آخر میں انہوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ انصار ہی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے انہیں اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفۃ الرسول منتخب کر لینا چاہیے۔

کچھ دوسرے انصاری بزرگوں نے بھی حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے موقف کے حق میں تقریریں کیں اور کثرت رائے سے یہی طے پایا کہ منصب خلافت کیلئے سب سے بڑھ کر انصار میں موزوں حضرت سعدؓ بن عُبادہ ہی ہیں۔ اسی اثنا میں مہاجرین کو بھی اس اجتماع کی خبر ہو گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو ساتھ لے کر فوراً سقیفہ بنو ساعدہ میں پہنچ گئے۔ خاصی بحث وتمحیص اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد جمہور صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی۔ اس موقع پر حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ بہت سے ارباب سیر اور مورخین جن میں ابن اثیر، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، حافظ ابن عبدالبرؒ جیسے بلند پایہ علماء شامل ہیں، اس طرف گئے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت نہیں کی اور دل برداشتہ ہو کر حوران (شام) چلے گئے۔ جہاں ۱۵ھ میں کسی نے اُنہیں شہید کر ڈالا۔ ابن عبدربہ کی ''عقد الفرید'' میں تو کلبی سے یہاں تک مروی ہے



Scanned with CamScanner

کہ ایک شخص نے سعدؓ بن عبادہ کو قتل ہی اِس لئے کیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ (اور ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ) کی بیعت کا انکار کرتے تھے، لیکن اِن کے ساتھ ہی کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دلائل سے مطمئن ہو کر مہاجرین کے استحقاق خلافت کو تسلیم کر لیا تھا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے بیعت کرنے کا ذکر نہایت واضح اور دو ٹوک الفاظ میں کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

"تتابع القوم على البيعة و باليح سعد"

(قوم نے بیعت میں ایک دوسرے کی پیروی کی اور سعدؓ نے بھی بیعت کی)

طبری ہی کی ایک اور روایت میں خود حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی زبانی ان کی بیعت کا اعتراف موجود ہے اور یہ بیان بھی کہ اگر انہوں نے بیعت نہ کی ہوتی تو لوگ انہیں شام جانے کیلئے زندہ نہ چھوڑتے۔

مسند احمد بن حنبل کی ایک مرسل روایت سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ بن عُبادہ نے خوشدلی سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت کر لی تھی۔ اِس روایت کے الفاظ یہ ہیں!

"حمیدؓ بن عبدالرحمان حمیری کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ مدینہ کے کسی حصہ میں تھے۔ اِس سانحہ کی خبر سن کر وہ حضورؐ کے جسد اقدس کے پاس آئے اور آپؐ کے چہرہ مبارک سے چادر اُٹھا کر کہا، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ زندگی میں بھی اور وفات کے بعد بھی کس قدر حسین و جمیل ہیں۔ اِس کے بعد کہا رب کعبہ کی قسم محمدؐ اِس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تیزی کے ساتھ انصار کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ دیا اور اس میں انصار کی ہر اِس فضیلت کا تذکرہ کیا جو قرآن میں بیان ہوئی ہے یا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔ اِس کے بعد فرمایا کہ بے شک رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تمام لوگ کسی وادی کی طرف جائیں اور انصار کسی اور وادی کی طرف تو میں انصار کی وادی اختیار کروں گا۔ اور اے سعد (بن عُبادہ) تم بھی اِس وقت وہاں موجود تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قریش خلافت کی ذمہ داری سنبھالیں گے، لوگوں کے بھلے قریش

کے بھلے کے تابع ہیں اور لوگوں کے بُرے قریش کے بُرے کے تابع ہیں۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے فرمایا، بیشک آپ سچ فرماتے ہیں ہم انصار وزیر ہیں اور آپ حضرات امیر''۔

محدث ہیثمیؒ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ مشہور شافعی فقیہ ابن حجر ہیثمیؒ نے اپنی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے کے تخیل کو غلط قرار دیا ہے۔ صاحب کنز العمال نے بھی حضرت سعدؓ کے بیعت کرنے کی روایت کو قبول کیا ہے اور اسے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

صحابیت کی جلالت شان اور صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن و حدیث کی متفق علیہ توضیحات کے پیش نظر کسی اختلافی مسئلہ میں صحابہؓ کے بارے میں نیک گمان کرنا ہی احسن طریقہ ہے۔ اس لئے ہم انہی روایات کو ترجیح دیتے ہیں جن کی رو سے حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بیعت کی لی تھی۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ کا سال وفات مختلف روایتوں میں ۱۱ھ، ۱۴ھ اور ۱۵ھ بیان کیا گیا ہے لیکن جمہور علماء نے ۱۵ھ والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ان کی وفات کیسے ہوئی اس کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی۔ ایک روایت میں ہے کہ کسی نے تیر مار کر شہید کر ڈالا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی نے شہید کر کے گھر کے غسل خانے میں ڈال دیا تھا۔ گھر کے لوگوں نے دیکھا تو تمام جسم نیلا پڑ گیا تھا۔ انہیں کس شخص نے شہید کیا اور اس شقاوت سے اس کا کیا مقصد تھا؟ اس کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

حضرت سعدؓ کی اہلیہ کا نام فکیہہ بنت عبید انصاریہ تھا۔ وہ حضرت سعدؓ کی بنت عم تھیں اور نہایت مخلص صحابیہ تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ۸ھ میں انہوں نے حضور ﷺ کے ایماء پر اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ مسجد نبویؐ کیلئے منبر تیار کرے۔ چنانچہ ان کے غلام نے غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا۔

حضرت سعدؓ نے اپنے پیچھے تین لڑکے چھوڑے۔ قیسؓ، سعید اور اسحاق۔ ان میں سے حضرت قیسؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ بڑے قد آور اور وجیہہ جوان تھے۔ وہ اکثر سرورِ عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور خاص مدینہ منورہ (شہر) میں ''پولیس'' کے فرائض انجام دیا کرتے تھے۔

حضرت سعدؓ سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں، اِن کے راویوں میں حضرت قیسؓ بن سعدؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت سعید بن میتبؒ کے اسماء گرامی قابل ذکر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ نے حضورؐ کے بعض ارشادات لکھ کر محفوظ کر لیے تھے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ کے گلشن اخلاق میں سبقت فی الاسلام، حب رسول، جوش ایمان، شوق جہاد، انفاق فی سبیل اللہ اور جود و سخا سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔ اپنے جذبہ فدویت اور دوسرے اوصاف و محاسن کی بدولت انہیں بارگاہِ رسالتؐ میں درجہ تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ حضورؐ کو ان سے اِس قدر محبت تھی کہ وقتاً فوقتاً اُن کے مکان پر تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی بیمار ہو جاتے اور حضورﷺ کو ان کی علالت کی خبر ملتی تو آپ بے چین ہو جاتے اور فوراً عیادت کیلئے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ حضرت قیسؓ بن سعدؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورﷺ نے ان کیلئے یہ دُعا فرمائی۔

''اے اللہ اپنی برکتیں اور رحمتیں سعدؓ بن عُبادہ کی آل پر نازل فرما''۔

ایک اور موقع پر آپؐ نے یوں دُعا کی۔

''اللہ انصار کو جزائے خیر دے۔ خصوصاً عبداللہؓ بن عمرو بن حرام اور سعدؓ بن عُبادہ کو''۔

سرورِ عالمﷺ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سعدؓ اکثر آپ کی خدمت میں کھانا بھیجا کرتے تھے۔ اِس کے علاوہ کبھی کبھی بطورِ خاص بھی آپ کی دعوت کیا کرتے تھے۔ ابن عساکرؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے رسول اکرمﷺ کی دعوت کی اور آپؐ کی خدمت میں روٹی اور کھجوریں پیش کیں۔ حضورﷺ یہ تناول فرما چکے تو آپ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ پیش کیا۔ حضورﷺ نے اِسے پیا اور فرمایا (تمہارے کھانے کو بھلے لوگ کھائیں اور تمہارے پاس روزہ دار روزہ افطار کریں اور تمہیں فرشتے دعائیں دیں۔)

ایک اور روایت میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ سعدؓ بن عبادہ نے حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جس میں تل اور کھجوریں تھیں۔

ابن عساکر نے خود حضرت سعدؓ بن عبادہ کا یہ نقل کیا ہے کہ ''میں رسول اللہﷺ کی خدمت

میں اونٹ کی نلی کے گودے کا ایک بڑا پیالہ بھر کر لایا۔ آپؐ نے پوچھا، اے ابو ثابت یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میں نے آج چالیس جگر والے اونٹ ذبح کیے، میرے دل میں تمنا پیدا ہوئی کہ آپ کو ان کی نلی کا گودا کھلاؤں۔ اِس پیالے میں یہی گودا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اِسے تناول فرمایا اور میرے لئے دُعا خیر کی"۔

ارباب سیر نے حضرت سعدؓ بن عُبادہ کی دریا دلی، سیر چشمی اور جود و سخا کے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے وقت کے بہت بڑے سخی اور جواد تھے اور اِسی بناء پر لوگوں میں بے حد ہر دلعزیز تھے۔ ابن سعدؒ نے حضرت عروہؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ:۔

"میں نے سعدؓ بن عُبادہ کو دیکھا، وہ اپنی حویلی کے دروازے پر کھڑے ہو کر پکار رہے تھے کہ جسے چربی یا گوشت پسند ہو وہ سعدؓ بن عُبادہ کے پاس آئے"۔

حضرت سعدؓ نے یہ دریا دلی اپنے باپ دادا سے ورثے میں پائی تھی ان کے بعد ان کے بیٹے حضرت قیسؓ نے بھی اپنے اِس خاندانی دستور کو قائم رکھا۔ ایک دفعہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت سعدؓ کی حویلی کے پاس سے گزرے تو ان کی آنکھوں میں حضرت سعدؓ کی دعوتِ عام کا منظر گھوم گیا اور انہوں نے فرمایا یہ ہے سعدؓ کی حویلی جہاں وہ لوگوں کو آواز سے کر بلایا کرتے تھے۔

اصحابہ صفہ کا اپنا کوئی گھر اور ذریعہ معاش نہیں تھا اِس لئے وہ اللہ کے مہمان سمجھے جاتے تھے۔ صاحب حیثیت صحابہ کرامؓ اصحابِ صفہ میں سے ایک ایک دو آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور ان کو کھانا کھلاتے تھے لیکن حضرت سعدؓ بن عُبادہ روزانہ شام کو اسی ۸۰ آدمیوں کا کھانا بھجواتے تھے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت سعدؓ کی والدہ حضرت عمرہؓ بنت مسعود نے ۵ ہجری میں انتقال کیا تو انہوں نے ماں کے ایصالِ ثواب کیلئے پانی کی ایک سبیل جاری کی۔ مدینہ منورہ میں آج بھی یہ سبیل "سقایہ آلِ سعد" کے نام سے موجود ہے۔

۸ ھ میں سریہ سیف البحر یا جیش الخبط پیش آیا۔ اِس مہم کے قائد حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تھے اور تین سو آدمیوں کے لشکر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے علاوہ حضرت سعدؓ کے صاحبزادے حضرت قیسؓ بھی شامل تھے۔ مہم کے دوران میں سامانِ رسد ختم ہو گیا اور



Scanned with CamScanner

مجاہدین سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ اِس موقع پر حضرت قیسؓ نے اونٹ قرض لے لے کر ذبح کرانے شروع کر دیئے۔ جب نو اونٹ ذبح ہو چکے تو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ قیسؓ کو روکا جائے ورنہ وہ اپنے باپ کا مال یونہی صرف کر دیں گے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے انہیں مزید اونٹ ذبح کرانے سے روک دیا۔ حضرت قیسؓ نے مدینہ واپس آ کر حضرت سعدؓ بن عبادہ کو مسلمانوں کی مصیبت کا حال سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ اونٹ ذبح کراتے۔ انہوں نے کہا میں تین بار ایسا کیا لیکن پھر مجھے روک دیا گیا۔ جب حضرت سعدؓ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے فلاں جملے کہے تھے تو انہیں سخت جوش آیا۔ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ وہ حضور ﷺ کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے اور کہا:۔

''ابن ابو قحافہ اور ابن خطاب کی طرف سے کوئی جواب دے کہ وہ میرے بیٹے کو بخیل کیوں بنانا چاہتے ہیں؟''

حضرت سعدؓ کو سرورِ عالمؐ سے نہایت عقیدت اور محبت تھی۔ حضور ﷺ ان کے مکان پر قدم رنجہ فرماتے تو وہ فرطِ احترام میں بچھ بچھ جاتے تھے۔ جب حضور ﷺ واپسی کا ارادہ فرماتے تو حضرت سعدؓ اپنے گدھے پر چادر بچھواتے اور اِس کو سواری کیلئے پیش کرتے۔ پھر اپنے فرزند قیسؓ کو حضور ﷺ کی ہمرکابی کا حکم دیتے۔ حضور ﷺ بھی حضرت سعدؓ کا بہت پاسِ خاطر فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ غزوہ بدر سے پہلے ایک مرتبہ حضرت سعدؓ بیمار ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اطلاع ملی تو آپؐ ان کی عیادت کیلئے سواری پر تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک جگہ کچھ مسلمان اور منافقین ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں راس المنافقین عبداللہ بن اُبی بھی تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کو ہجرت نبویؐ سے پہلے تمام اہل مدینہ (اوس اور خزرج) اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہو گئے تھے اور اِس کیلئے تاج بھی تیار کر لیا تھا لیکن حضور ﷺ کی تشریف آوری کے بعد یہ ساری کاروائی کالعدم قرار پائی تھی۔ یہ بات عبداللہ بن اُبی پر سخت شاق گزری تھی اور وہ حضورؐ سے خار کھانے لگا تھا۔ حضور ﷺ کی سواری کی گرد اُڑی تو وہ ترشروئی سے بولا، ''محمدؐ اپنا گدھا پرے کرو اِس کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کر دیا''۔ اِس کے جواب میں حضورؐ نے سب حاضرین مجلس کو سلام کیا اور سواری سے اُتر کر خدا کی واحدانیت پر ایک مختصر خطبہ دیا۔ ابن اُبی نے تنگ کر کہا، ''اگر تمہاری

باتیں بکی ہیں تو یہاں ان لوگوں کو بتاؤ جو خود تمہارے پاس آتے ہیں" اس موقع پر بات اس قدر بڑھی کہ مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان تلوار چل جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ لیکن حضور ﷺ نے فریقین کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کر دیا۔ اس کے بعد آپؐ حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور دورانِ گفتگو میں ان سے فرمایا۔ "سعد تم نے سنا آج عبداللہ بن اُبی (ابوحباب) نے مجھ سے یہ باتیں کہی ہیں"۔

انہوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہؐ آپؐ اس کی باتوں کا خیال نہ فرمائیں، اس شخص کو ہم لوگ اپنا بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ اللہ نے آپؐ کو حق وصداقت کے ساتھ مبعوث کیا تو ہم نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ ابن اُبی کی باتیں بادشاہت سے محرومی کا نتیجہ ہیں آپؐ اس سے درگزر فرمائیں۔ حضرت سعدؓ کی اس گزارش پر حضور ﷺ نے ابن اُبی کو معاف فرما دیا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت سعدؓ کو تحصیل صدقہ کیلئے افسر منتخب فرمایا لیکن انہوں نے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے معذرت کی تو حضور ﷺ نے انؓ کا عذر قبول فرما لیا۔

حضرت سعدؓ بن عُبادہ کے مقام ومرتبہ کا اندازہ کرنے کیلئے یہی کافی ہے کہ سید الانام فخر موجودات ﷺ نے ان کو بارہا دعائے خیر وبرکت سے نوازا اور بارہا ان کے گھر کو اپنے قُدُومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

# قرآنِ پاک سے بے رغبتی

(محمد نذیر)

بے رغبتی ہر اُس چیز سے اُس وقت ہوتی ہے۔ جب تک اُسکی حقیقت کا علم نہ ہو۔ لیکن جب علم ہو جائے پھر اُسکی طرف توجہ نہ دی جائے تو لا پرواہی ہوتی ہے۔ لا پرواہی کی وجہ سے انسان نافرمانی میں چلا جاتا ہے اور نافرمان کو اللہ پاک نے قرآن مجید فرقان حمید میں فاسق کا درجہ دیا ہے اور یہاں تک فاسقوں کا نمازِ جنازہ بھی پڑھنے سے منع کر دیا ہے سورہ توبہ آیت نمبر 85۔ یا انسانی اولاد گمراہی در گمراہی کی وادی میں چلا جاتا ہے یہ سب کام اُس وقت سرانجام پا جاتے ہیں جس وقت کوئی بھی انسان راہنمائی والی گائیڈ کو چھوڑ کر کام شروع کر دیتا ہے۔ (۱) اِسکی موجود مثال موجودہ حالات ہیں (۲) پریکٹیکلی طور پر کسی بھی مشین کا کوئی بھی موجد اُس سے اچھے نتائج حاصل کرنے کیلئے اپنی مشین کے ساتھ ایک انسٹریکشن بک اور ایک استاد جو کہ اُس مشین چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ ہینڈ اوور کرتا ہے اور وہ اِس مشین سے کام لینے کیلئے مزید اُستاد تیار کرتا ہے۔ ساتھ ہی اِن اساتذہ کو اِس مشین کے متعلق ہدایات دیتا ہے کہ اِن ہدایات پر عمل کرو گے تو اِس مشین سے فائدہ اُٹھاؤ گے ورنہ نقصان ہی نقصان ہوگا۔ لیکن یہ انسان اِن ہدایت سے اتنا غافل اور جاہل نکلا کہ اِس دنیا میں 4 ٹکوں کی خاطر انسانی بنائی ہوئی مشینوں کو چلانے اور خراب ہونے کی صورت میں درست کرنے کیلئے ہدایت والی کتاب کے بغیر کبھی بھی درست کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور اُس سے کبھی بھی بے رغبتی اور لا پرواہی نہیں کرتا کیونکہ اِس عارضی دنیا میں پیٹ پوجا کا ایک سبب ہے۔ لیکن انسان اگر غافل ہے تو اللہ کی اُس کتاب سے غافل ہے جو کہ پوری کائنات کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ پوری دنیا کو ایک راستے پر چلانے کی گائیڈ ہے اِس دنیا میں اپنی عزت کی خاطر ہم سب پارٹ ون آرڈر۔ اہم احکامات اور ضروری نوٹس کو پڑھ کر ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے کیونکہ اپنی بے عزتی اور رسوائی کا ڈر ہوتا ہے۔ احکامات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے تنخواہ کٹ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ کبھی بھی ہم سے غفلت اور لا پرواہی نہیں ہوتی۔ لا پرواہی اگر ہے تو اللہ کے قرآن سے ہے۔ لا پرواہی ہے تو اپنی نماز سے ہے۔ لا پرواہی اگر ہے تو ماہ رمضان سے

ہے۔ لاپرواہی اگر ہے تو حلال اور حرام سے، لاپرواہی ہے تو قرآنِ پاک پڑھنے میں ہے، لاپرواہی ہے تو قرآنِ پاک سننے میں ہے، لاپرواہی ہے تو وضو کرنے میں ہے، لاپرواہ ہیں تو اپنے دین سے ہیں جسکی وجہ سے ہم غفلت اور بے رغبتی کے سمندر میں اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے قرآن کو چھوڑ کر عقلی دلائل کے گھوڑے دوڑا کر کامیابی چاہتے ہیں۔ یہ تو کبھی بھی نہیں ہوسکتا جَو کی فصل کاشت کر کے گندم کی اُمید رکھیں۔

عام تقریبات میں مذہبی ذوق رکھنے والے حضرات کیلئے تلاوتِ قرآن، قرآن پاک کی شان مرتبہ مقام اور حقائق کو بیان کرنے کیلئے بہت اہتمام کیا جاتا ہے۔ لیکن بحیثیت مسلمان ہم مسلمانوں پر قرآن پاک کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں اِنکے بارے میں اگر ہم سب اپنے دِلوں کو ٹٹولیں اور اسکی (دلوں) کی گہرائیوں میں جھانک کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ واقعی ہمارے قلوب قرآنِ پاک پر یقین سے خالی ہیں۔ ریب اور شک نے ہمارے دلوں میں ڈیرہ ڈالا ہوا ہے ہماری اِس کیفیت کا نقشہ قرآنِ مجید فرقانِ حمید نے اِن الفاظ میں کھینچا ہے۔ **وان الذین اورثو الکتاب من بعدھم لغی شک فه مریب (سورۃ شوریٰ-14)**

ترجمہ! اور جو لوگ وارث ہوئے کتاب الٰہی کے اِسکے بعد اِس کے بعد اِسکے بارے میں شک میں مبتلا ہیں (شک وشبہات) میں۔ (کتاب قرآن کے حقوق) ڈاکٹر اسرار

قرآن پاک ایک بار پڑھ لینے کی چیز نہیں ہے۔ بار بار پڑھنے اور بار بار پڑھتے رہنے کی چیز ہے۔

مثال:۔ نسلِ انسانی کی افزائش کیلئے زمین سے حاصل کردہ غذا کا کھانا ضروری ہے۔ اِسی طرح روح کی افزائش کو اعلیٰ سے اعلیٰ کردار کی معراج تک پہنچنے کیلئے غذا کو قرآنِ پاک سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ روح کی پرورش جو قرآنِ پاک کی آبیاری سے ہوسکتی ہے وہ اور کسی بھی کتاب سے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ملاوٹ شدہ غذا کھانے سے انسان بیمار ہوجاتا ہے۔ جس طرح ملاوٹ شدہ غذا سے انسان بیمار ہوجاتا ہے اِسی طرح علمائے حق کو چھوڑ کر علمائے سو کی کتابوں کو پڑھنے سے انسان ملاوٹ شدہ غذا کھانے کی طرح بیمار ہوجاتا ہے کیونکہ انسانی روح

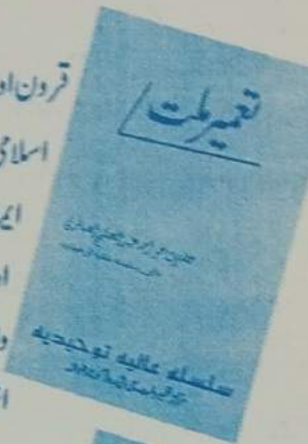
نفس امارہ کے زیر تسلط ہوتی ہے۔جس کا ذکر قرآنِ پاک کے اِن الفاظ میں ہے۔ان النفس لا مارۃ باالسوء ترجمہ نفس (جی) ہر ایک کا بُری بات بتلاتا ہے۔(سورہ یوسف آیت نمبر ۵۴) نفس امارہ کا ڈاکٹر اللہ کا قرآن ہے اِس لاریب کتاب کے اندر وحدہٗ لاشریک کا مکان ہے اور اس کا درمیان شیطان ہے جو کہ انسان کو ملاوٹ شدہ غذا کھانے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ثبوت۔ پرنٹ مڈیا اور الیکٹرک مڈیا۔

نوٹ:۔ یہ بات یاد رکھیں خطرناک امراض کیلئے کڑوی دوائی پینی پڑتی ہے اور اپریشن کرانا پڑھتا ہے، خطرناک مرض کیلئے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈاکٹر۔اعلیٰ تعلیم کیلئے، اچھا سکول۔اعلیٰ بلڈنگ بنانے کیلئے اچھا انجینئر۔اعلیٰ تعلیم کیلئے بہت سے قانون قاعدے تلاش کیے جاتے ہیں۔لیکن بہت سے افسوس سے کہنا پڑھتا ہے۔اللہ شاہد ہے میری آنکھوں میں آنسو ہیں پہلے میں اِن آنسوؤں کی بدولت اللہ سے دعا کرتا ہوں اے اللہ اِس ملک پاکستان کو اپنی پسند کا رہبر اپنی رحیمی کریمی کے صدقے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے عطا کر دے۔آمین ثم آمین! مندرجہ بالا باتیں جو لکھی ہیں اُن سب کاموں کیلئے قانون، قاعدے اور انکے وارث موجود ہیں۔مثال! گھروں میں، خاندانوں میں، اداروں میں، آرمی، ائیر فورس، نیوی، پولیس یا کوئی پروجیکٹ ہو۔اِن سب کا کوئی لیڈر اِس دنیا سے رُخصت ہو جائے تو اُسکے پیچھے ان سب کا سربراہ منتخب کیا جاتا ہے تاکہ ملکی ادارے، خاندان، سکول اور گھر اپنے اپنے ماتحت کے زیر نگرانی چلتے رہیں۔اِس لحاظ سے میں قسم اٹھا کر کہہ سکتا ہوں کہ دین محمدیؐ لاوارث ہو گیا ہے۔جسکی وجہ سے ہمارے ملک میں شرک و بدعات کا سیلاب ہے۔ہمارے ملک میں جو کچھ ہے یہ نفس امارہ کا پھل ہے۔جب کبھی آپؐ پر مصائب کا زور ہوتا صبر واستقامت کی ضرورت ہوتی تو اِس وقت آپ کو تلاوتِ قرآن پاک کا ہی حکم دیا جاتا، سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۴۵ ترجمہ جو کتاب آپؐ پر وحی کی گئی ہے آپؐ اِسکو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھیے۔سورۃ الکھف آیت نمبر 27 اور آپؐ کے پاس جو آپ ﷺ کے رب کی کتاب وحی کے ذریعے آئی ہے لوگوں کے سامنے پڑھویا کیجئے، اِسکی باتوں کو (وعدوں) کو

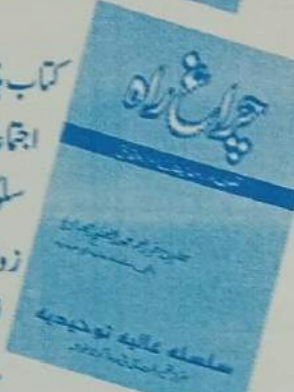
کوئی بدل نہیں سکتا۔ (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)

آج سے تقریباً 36 سال پہلے اللہ تعالیٰ کے عاشق یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی نے اس پاکستانی عوام اُمت کا حال دیکھتے ہوئے کتاب تعمیر ملت میں اِس امت کے علاج کیلئے تجویز لکھی جسکو میں نے پسند کیا ہے اور میرے دل کی آواز ہے وہ تجویز ہے ملک میں ایک ایسی جماعت بنائی جائے جس کا نام آل پاکستان ہو جس میں تمام مذہبی فرقوں کے پیشوا اور تمام مذہبی، سیاسی اور معاشرتی، جماعتوں کے سیکرٹری اور منتخب نمائندے بحیثیت ممبر کے شریک ہوں۔ اِس کی تشکیل یو۔ این۔ اور کی ساخت پر کی جائے۔ اِس کا مقصد اور موقف صرف اہل ملک کی اخلاقی اصلاح تک محدود ہو۔ مذہبی، سیاسی، معاشرتی یا دوسرے اختلافی مسائل کا اِس میں ذکر بھی منع ہو۔ اگر آپ غور کریں تو صرف ''اخلاق'' ہی ایک ایسا متفق علیہ موضوع ہے۔ جس پر تمام فرقے اور جماعتیں شدید مذہبی، سیاسی اور معاشرتی اختلاف کے باوجود ہر لحاظ سے بالکل ہم آہنگ اور متفق ہیں اِس جماعت میں صرف دو طریقے سوچیں اور عمل میں لائے جائیں۔ جن سے ہر فرقہ کے افراد کا اخلاق، اخلاقِ محمدی ﷺ کا نمونہ بن جائے یا ہو۔ کتاب تعمیر ملت صفحہ نمبر 59۔ اِس تجویز کیساتھ ایک ناقص العقل کی رائے ہے۔ (۱) اِس تنظیم کا نام آل پاکستان فاؤنڈیشن رکھنا چاہیے (۲) بحیثیت ممبر اور سیکرٹری اور جو بھی تعلیم یافتہ حضرات ہوں اِن سب کو اپنا رہبر اللہ کا قرآن منتخب کرنا چاہیے۔ (۳) اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں شرائط تیار کر کے اِن شرائط کا پابند کیا جانا چاہیے (۴) ان شرائط پر عمل درآمد کرنے کیلئے ایک سخت قانون بنا کر عمل کرانا ہوگا۔ اختلافی موضوع پر بات چیت وعظ و نصیحت اور پرنٹ میڈیا پر پابندی عائد ہو۔ یہ سب کام مشاورت سے قرآن پاک کو سامنے رکھ کر طے کیے جاسکتے ہیں۔

# بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



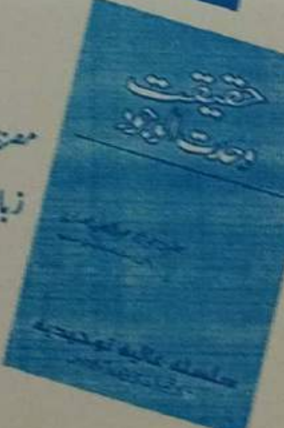

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔




کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اکیس درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔




یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ [illegible] کی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب [illegible] اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

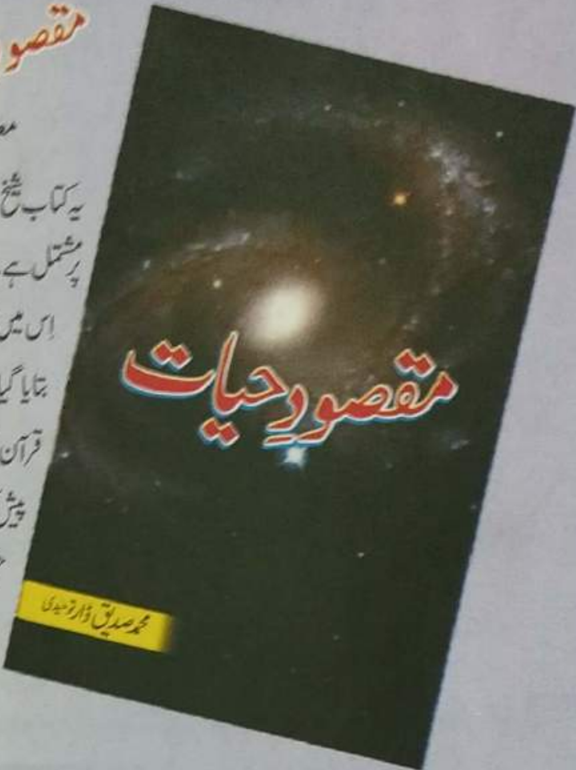



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں :۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

# مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

## مقصودِ حیات

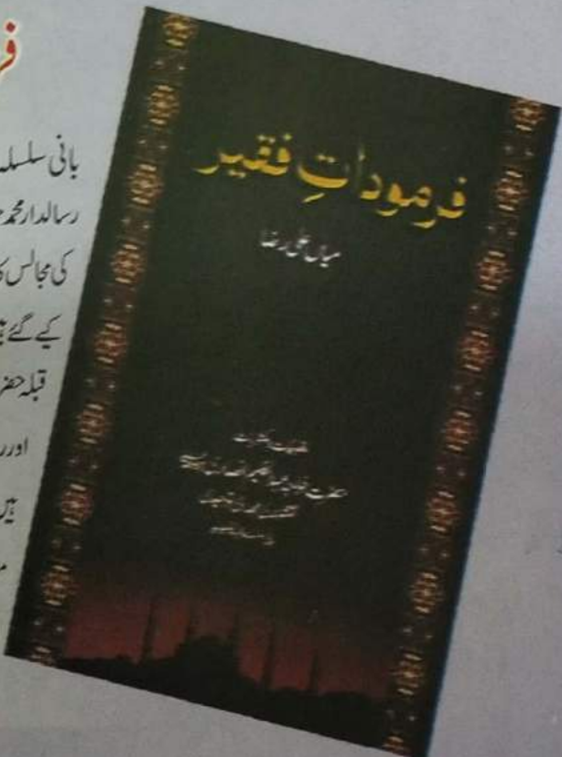
مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)




یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

## فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا




بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی ودنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف ان کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

**Reg: SR - 01**

**Website: www.toheedia.net**